ماہنامہ

شمارہ: ۷	رجب ۱۴۳۰ھ مطابق جولائی ۲۰۰۹ء	جلد: ۹۳

نگراں

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپے، سالانہ -/۱۵۰ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۰۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411649303 *(Manager)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	اسلام کا نظریۂ تعلیم اور مسلمان	محمد شمیم اختر قاسمی	۷
۳	درس ختمِ بخاری شریف	مفتی عمر فاروق لوہاروی	۲۳
۴	ماہ رجب اور رسمِ کونڈا	مولوی رئیس احمد عرشی کلیری	۴۲
۵	کیا کبھی سیاست اور تعلیم میں بھی ''عام آدمی'' کی ''جے'' ہوگی؟	ڈاکٹر ایم. اجمل فاروقی	۴۷
۶	مولانا شبیر احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند	فاروق اعظم عاجز قاسمی	۵۳

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

تیرہویں صدی عیسوی میں جبکہ عیسائی دنیا اسلام کے خلاف برپا کی ہوئی اپنی صلیبی جنگوں میں پے درپے ناکام ہونا شروع ہوئی تو اس کے مفکرین اور نظریہ سازوں کو یہ یقین ہوگیا کہ موجودہ حالات میں طاقت وقوت اور تشدد وجارحیت کے ذریعہ اسلام کو مذہبی وسیاسی اقتدار سے بے دخل نہیں کیا جاسکتا ہے چنانچہ غور وفکر کے بعد انھوں نے طے کیا کہ سردست اپنی جارحانہ مہم کو ملتوی کرکے علم وتحقیق کے عنوان سے اسلام کو نشانہ بنانا چاہئے اور تلوار کی بجائے قلم سے اسلام کی بیخ کنی کی جائے۔ اسلام دشمن مغربی مفکرین کا یہی پرفریب منفی نظریہ ''تحریک مستشرقین'' کا نقطہ آغاز ہے۔ چنانچہ اس منصوبہ کے تحت عیسائی مبلغین اور ان کے ساتھ یہودی علماء بھی اسلامیات کے مطالعہ کے لئے وقف کردیئے گئے۔ اس تحریک کا ایک بنیادی مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت وتبلیغ کے لئے رجال کار مہیا کرنا اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے جس سے مسیحیت کی برتری اور ترجیح خودبخود ثابت ہوجائے اور نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔

یہ مستشرقین قرآن وحدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوف کا مطالعہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ ان میں خامیاں نکالی جائیں اور پھر انھیں اپنے دینی وسیاسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے، ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ پہلے اسلام کے خلاف ایک باطل اور شرانگیز بات طے کرلیتے ہیں اور پھر اس کے اثبات کے لئے ہر طرح کے رطب ویابس، تاریخ، حدیث وسیرت، یہاں تک کہ افسانہ وشاعری کے غیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرنے کی غیر معقول کوشش کرتے ہیں اور جہاں کہیں سے بھی مقصد برآری ہوتی ہو خواہ وہ علمی اصول کے رو سے صحت واسناد کے

اعتبار سے کتنا ہی مشکوک ومجروح کیوں نہ ہو اس کو پوری جسارت سے بڑے آب وتاب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قرآن، حدیث، سیرت نبوی، فقہ وکلام، سیرت صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اکابر محدثین، فقہاء وقضاۃ، مشائخ سلوک، رواۃ حدیث، اسماء رجال، فن جرح وتعدیل، جمع قرآن، تدوین حدیث، حجیت حدیث وغیرہ ہر ایک موضوع کے متعلق مستشرقین کی تصانیف اور نام نہاد تحقیقات میں اس قدر مواد پایا جاتا ہے جو ایک ایسے ذہین وحساس آدمی کو جوان موضوعات پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کردینے اور سلف صالحین وعلمائے راسخین کی شخصیتوں کو مجروح کردینے اور ان سے اعتماد ختم کردینے کے لئے کافی ہے۔ واقعی علم وتحقیق کی رو سے ان مشکوک ومشتبہ لٹریچر کو یہ لوگ سائنٹفک اور سسٹمیٹک (اصولی مطالعہ) جیسے بھاری بھرکم اور مرعوب کن عنوان سے پیش کرتے ہیں جس کی بناء پر کچے ذہن اور سطحی علم رکھنے والے ان کے دام فریب میں آجاتے ہیں۔ بالخصوص یونیورسٹیوں اور مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر لوگ اس بھنور میں پھنس چکے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم اپنی مشہور کتاب ''المستشرقون والاسلام'' میں مستشرقین کے پھیلتے ہوئے اثرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس نصف صدی کے اندر عالم اسلام میں اصلاح وترقی (بالفاظ واضح تجدد ومغربیت) کے جتنے علم بردار پیدا ہوئے ان کے خیالات، اشتہارات، اعلانات اور طریق کار میں مستشرقین کی دعوت وتلقین کے اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ بات کہی جائے کہ اصلاح وترقی کے داعی ان مصلحین کے فکر وعمل کی اساس مستشرقین کے پیدا کردہ خیالات ہیں تو حقیقت سے بعید نہیں ہوگی۔''

ان مستشرقین نے ایک طرف اسلامی تعلیمات اور دینی افکار کی تحقیر کا کام کیا اور مسیحی افکار و اقدار کی عظمت نمایاں کیں، پھر اسلامی اصول وقواعد کی ایسی تشریح پیش کی جس سے از خود اسلامی اقدار کی کمزوری ثابت ہوجائے تاکہ ایک جدید تعلیم یافتہ مسلمان کا رابطہ اسلام سے کمزور پڑ جائے اور وہ اسلام کے بارے میں متشکک ہوجائے یا کم از کم یہ سمجھنے پر مجبور ہوجائے کہ اسلام موجودہ عہد کے مزاج کا ساتھ دینے سے عاجز اور ضروریات وقت وتقاضائے زمانہ کو پورا کرنے سے درماندہ اور قاصر ہے ایک طرف انھوں نے بدلتی ہوئی زندگی، تغیر پذیر زمانہ اور تہذیب وترقی کا نام

لے کر خدا کے آخری، ابدی اور کامل دین پر عمل کو روایت پرستی، رجعت اور بنیاد پرستی کا غیر پسندیدہ نام دیا اور دوسری جانب اس کے برعکس قدیم ترین تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی جو زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت کھوکر ماضی کے ملبہ کے نیچے سیکڑوں ہزاروں برس سے دفن تھیں، ان بے سود تہذیبوں کی بازیافت کی سعی کا مقصد مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا کرکے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور جاہلیت قدیمہ کو زندہ کرنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ چنانچہ مستشرقین کے اس دعوت وتلقین کے زیر اثر ان کے شاگردان رشید کے ذریعہ مصر میں فرعونی، عراق میں آشوری، شمالی افریقہ میں بربری، فلسطین ولبنان کے ساحل پر ہٹی تہذیب وزبان کے احیاء کی تحریکوں کا آغاز ہوا اور ان ملکوں میں ان کے مستقل داعی ومبلغ پیدا ہوگئے۔ جن کی جانب سے پوری قوت اور شدومد کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ قرآن کی عربی زبان زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتی اس کے بجائے عوامی زبان کو رواج دینا چاہئے اور انہی کو اخبارات اور علمی کتابوں کی زبان بنانا چاہئے۔

اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مستشرقین نے یوروپ، امریکہ، کناڈا وغیرہ میں قائم اسلامیات کی تحقیقات کے نام نہاد اداروں کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے۔ اور اسکالرشپ کے عنوان سے بڑے بڑے وظیفہ دے کر مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور نام نہاد سائنٹفک اور اصولی مطالعہ کے عنوان سے ان کے ذہن کو نہ صرف مسموم کیا بلکہ انھیں اپنے سانچہ میں ڈھال لیا۔

مستشرقین کے یہ شاگردان رشید جب مشرقی ممالک بالخصوص ہندوپاک، مصر ولبنان وغیرہ میں آئے تو انھوں نے اپنے زہریلے قلم وزبان سے اپنے استادان مغرب کی ترجمانی کی اور یونیورسٹیوں وعلمی اداروں کے ماحول کو اسلامی تعلیمات واقدار کے حق میں خراب کردیا۔ انھوں نے اپنے مربیان مغرب کے پڑھائے ہوئے سبق کے مطابق خود کو روشن خیال، تجدد پسند، مصلح دین اور محقق ومفکر ظاہر کیا اور اپنے باطل طریقہ کار کو سائنٹفک اور سسٹمیٹک (اصولی مطالعہ) بتایا اور اس کے بالمقابل سلف صالحین مصلحین ومجددین اور علمائے حق کے طریقہ کو دقیانوسیت، انتہاپسندی، غیر معقول وغیرہ سے تعبیر کیا۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر اسی تحریک کے زیر اثر ہندوستان کی کچھ یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے نام سے تحقیقی مراکز قائم کئے گئے جس کے نصاب کو مستشرقین کے امریکی ومغربی

اداروں کے نصاب کے مطابق رکھا گیا اوران مراکز کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا گیا جو مستشرقین کے خاص شاگرد تھے جنھوں نے اسلامی تعلیمات اوراس کے افکار واقدار کو مسخ کرنے میں اپنے استادانِ مغرب کی پوری پوری پیروی کی۔

مستشرقین یہود ونصاریٰ کے ان شاگردوں کا ہندوستان میں ایک جدید نعرہ ''اجتہاد'' ہے۔ یہ ہندی مستشرقین اس بات پر مصر ہیں کہ اجتہاد کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو قرآن کے ترجمہ کو کسی زبان میں پڑھ سکتا ہو۔ ان کے نزدیک مجتہد کو عربی زبان، صرف ونحو، لغت، بلاغت، تفسیر، علومِ تفسیر، حدیث، علوم حدیث، آثارِ صحابہ، فقہ، کلام، اصولِ فقہ، ناسخ ومنسوخ وغیرہ علوم کے جاننے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ ہندی مستشرقین اسلامیات کی تحقیق کے نام پر ملک گیر ادارے قائم کرنے کی تحریک چلارہے ہیں اوران کی دعوت وتلقین پر مسلمانوں کے ذریعہ قائم یونیورسٹیوں کے علاوہ ملک کے بڑے شہروں میں اس قسم کے ادارے قائم کئے جارہے ہیں اوراسلام کے نام پر اسلام کو مضمحل اور کمزور اور عیسائیت کو مضبوط اور توانا کیا جارہا ہے جس سے ملک میں پھیلی عیسائی مشنریوں کو براہِ راست قوت حاصل ہورہی ہے اوراس وقت ان کے حوصلے اس قدر بلند ہوگئے ہیں کہ وہ ملک کے بہت سے علاقوں میں کھلے عام مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ ودعوت کا کام کررہے ہیں اور صحیح دین سے ناواقف مسلمان ان کے دامِ فریب میں مبتلا بھی ہورہے ہیں۔

مدارس دینیہ اور مسلم تنظیموں سے متعلق علماء دین کے لئے یہ ایک لمحہ فکر یہ بلکہ کھلا چیلنج ہے، اس ملک میں دین ومذہب کے تحفظ وبقاء کی ذمہ داری انہیں علماء پر ہے آج کے اس مغربیت زدہ دور میں بھی عام مسلمانوں کا ایک حدتک رابطہ علماء سے قائم ہے اپنے معاملات ومسائل میں وہ علماء کی جانب آج بھی دیکھتے ہیں اگر خدانخواستہ علماء نے وقت کے اس چیلنج کی جانب توجہ نہیں کی تو یہ رہا سہا رابطہ باقی نہیں رہ سکے گا اوراس رابطہ کے ٹوٹ جانے کے بعد اس امت مسلمہ کا کیا حشر ہوگا اس کے تصور سے روح تھرّا جاتی ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیش میں وہ آج غریب الغرباء ہے

❁ ❁ ❁

اسلام کا نظریۂ تعلیم اور مسلمان

(۲/۱)

از: محمد شمیم اختر قاسمی
ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی حضرت محمد ﷺ تک ہزاروں نبیوں ورسولوں کو اپنی کتاب اور اپنے احکام سے نوازا اور انہیں انسانیت کی ہدایت کے لیے دنیا میں بھیجا۔ باوجود اس کے دنیا میں تہذیب وتمدن اور علم وفن کی ترقی نہیں ہوئی اور وہ جہالت ہی میں مبتلا رہی۔ ان کتابوں نے اور نہ ان کے حاملین نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں دنیا کی تمام چیزوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ انبیاءِ سابقین پر نازل کتاب اور ان کی تعلیمات کو مخصوص خطہ، محدود افراد اور ایک خاص عہد تک کے لیے موثر قرار دیتے ہوے علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''تورات کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے، یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے محدود رہے اور اپنی نسل وقوم کے سوا غیروں کو انھوں نے آواز نہیں دی۔ زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا۔ عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے۔ حضرت عیسیٰ کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب علم کا وجود نہ تھا، وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کی تلاش میں تھے (متی، باب: ۷، آیت: ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے، اگرچہ بدھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیروؤں کا فعل تھا، جو داعی مذہب کی سیرت اس عالم گیر جامعت کی مثال سے خالی ہے۔''(۱)

اس کے برعکس نبی ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس کا اعجاز وامتیاز اور دعویٰ ہے کہ یہ کتاب رہتی دنیا تک اور پوری انسانیت کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔ اس میں دنیا کے تمام علوم کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ اس کے رسول ﷺ نے بھی بہ ذات خود اس کی اشاعت میں بڑی دل چسپی لی۔ قرآن کہتا ہے:

”وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَاناً لِّکُلِّ شَیْءٍ وَهُدًی وَرَحْمَةً وَبُشْرَی لِلْمُسْلِمِیْنَ.“ (النحل:۸۹)

(اے نبی ﷺ! ہم نے آپ پر جو کتاب نازل کی ہے اس میں ہر چیز کو بیان کردیا ہے اور اس میں رحمت وہدایت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے۔)

قرآن مقدس میں جگہ جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت اور اس کے لیے شب وروز گزارنے کے اصول بیان کیے ہیں۔ انسانیت کی خوبیوں کو آشکارا کیا ہے اور خامیوں کی نشان دہی کی ہے۔ جو بھی اس پر عمل کرے گا اور اس سے استفادہ کرے گا وہ دین ودنیا کی کامیابی سے ہم کنار ہوگا اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ ناکام ونامراد ہوگا۔

حضور ﷺ کو جب نبوت کے منصب عظیم سے نوازا گیا، اس وقت جزیرۃ العرب کی کیا حالت تھی؟ قتل وغارت گری، چوری، ڈکیتی، قتل اولاد، زنا، بت پرستی کون سی ایسی برائی تھی جو ان میں پائی نہ جاتی ہو۔ بعضے وقت بڑے فخریہ انداز میں اسے انجام دیا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ؐ نے ان کی تعلیم وتربیت اس انداز سے کی اور زندگی گزارنے کے ایسے اصول بتائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی حالت یکسر بدل گئی اور تہذیبی قدروں سے آشنا ہوگئے۔ جہاں اور جدھر دیکھیے لوگ تعلیم وتعلم سے جڑ گئے اور قرآن وحدیث کی افہام وتفہیم میں مشغول ہوگئے۔ اس کے لیے باضابطہ اللہ کے رسول ؐ نے مسجد نبوی میں ایک مقام کو خاص کردیا، جسے صفہ کہا جاتا تھا۔ اس میں صحابہ کرام فروکش ہوتے اور علم وعمل کی دولت سے مالا مال ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی مدینہ میں اور مسجدیں تھیں جن میں صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کا انتظام تھا۔ یہاں سے فیضان نبوت حاصل کرکے یہ حضرات دور دراز مقام پر پہنچے اور دوسروں کو علوم نبوت سے مالا مال کیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ عرب جیسی اجڈ قوم اتنی جلد علم وتہذیب سے اس طرح آراستہ وپیراستہ ہوجائے گی کہ لوگ اس کی تقلید کرنے لگیں گے اور دنیا اس روشنی سے معمور ہوجائے گی۔ یہ کارنامہ تھا اللہ کے رسول کا اور ان کے فیوض وبرکات کا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ جیسا کہ دنیا پر عہد نبوی کے تعلیمی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک دانش ور لکھتے ہیں:

''عرب میں چھٹی صدی عیسوی میں اسلام سے علم وحکمت کا نیا باب شروع ہوا، جس نے پندرہویں صدی تک ایشیاء، افریقہ اور مغربی یورپ کو دنیا کے نقشہ پر انقلاب آفریں خطہ بنادیا اور علم وحکمت کی فصل گل سے پورا خطہ چمن زار ہوگیا۔ بالآخر ہر چہار سو خوش حالی، امن وآشتی اور باد بہاری کی خوش گواری سے اہل یورپ بھی بیدار ہوئے۔ یہ عہد عہد وسطیٰ کہلایا۔ اس عہد کی ابتداء میں کہتے ہیں قرطبہ اور بغداد دنیا کی عظیم ترین دانش گاہ مانی جاتی تھی۔ قدیم علمی ذخیروں کی تلاش کی گئی اور یونان، مصر، روم اور ہند کی نایاب کتابوں کا ترجمہ کرکے ان علمی سرمایوں کو ضائع ہونے سے بچالیا۔ مسلم خلفاء وسلاطین نے اپنی نوازشوں سے علم کی خدمت پر مامور دنیا بھر کے دانش وروں اور ماہرین فن کی سرپرستی کی جنھوں نے علم وحکمت میں گراں مایہ کارنامے انجام دیے۔'' (۲)

اہل علم کی فضیلت

نبی اکرمؐ کو جس دین سے نوازا گیا، اس کی ابتدا ہی تعلیم ہوئی۔ غار حرا میں سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی وہ سورہ علق کی ابتدائی چند آیتیں ہیں، جن میں نبی امیؐ کو کہا گیا:

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ." (العلق:۱-۵)

(پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔ پیدا کیا اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے۔ پڑھ، تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے سکھایا علم قلم کے زریعہ۔ اس چیز کا علم دیا انسان کو جو وہ نہیں جانتا۔)

علم کے ذریعہ ہی آدمی ایمان ویقین کی دنیا آباد کرتا ہے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے، بروں کو اچھا بناتا ہے، دشمن کو دوست بناتا ہے، بے گانوں کو اپنا بناتا ہے اور دنیا میں امن وامان کی فضاء پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین علم کی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے دنیوی واخروی بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ." (المجادلہ:۱۱)

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا ہوا ہے، اللہ اس کے درجات بلند فرمائے گا اور جو عمل تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔)

دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَاب." (الزمر:۹)

(اے نبیؐ، کہہ دیجیے کیا علم رکھنے والے (عالم) اور علم نہ رکھنے والے (جاہل) برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔)

تاریکی اور روشنی کی مثال دے کر عالم اور جاہل کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيْرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّوْر."(الرعد:۱۶)

(کہہ دیجیے، کیا برابر ہو سکتے ہیں اندھا (جاہل) اور دیکھنے والا (عالم) یا کہیں برابر ہو سکتا ہے اندھیرا اور اجالا۔)

اس طرح کی بہت ساری آیتیں ہیں جن میں عالم اور جاہل کے فرق کو واضح کیا گیا ہے اور ان کے درجات کے تعین کے ساتھ مسلمانوں کو حصول علم کے لیے ابھارا گیا ہے۔

اس سلسلے میں کثرت سے احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں اہل علم کی ستائش کی گئی ہے اور انہیں انسانیت کا سب سے اچھا آدمی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں:

" وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ ، كَفَضْلِي عَلَى اَدْنَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَاَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ."(۳)

(اور عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنی پر۔ یقیناً اللہ عزوجل، اس کے فرشتے اور آسمان وزمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی تک لوگوں کے معلم کے لیے بھلائی کی دعاء کرتی ہیں۔)

ایک دوسرے حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

"خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهِ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَاِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ: اِحْدَاهُمَا يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ، وَالْاُخْرَى يَتَعَلَّمُوْنَ وَيُعَلِّمُوْنَ. فَقَالَ النَّبِيُّ: كُلٌّ عَلٰى خَيْرٍ، هٰؤُلَاءِ يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ، فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ

مَنعَهُم، وَهٰؤُلاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، وَاِنَّمَا بُعِثتُ مُعَلِّماً، فَجَلَسَ مَعَهُم.“(۴)

(ایک دن رسول اللہؐ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور مسجد (نبوی) میں داخل ہوے، وہاں دو حلقے بیٹھے ہوے تھے، ایک حلقہ قرآن کی تلاوت کرر ہا تھا اور اللہ سے دعاء کرر ہا تھا، دوسرا تعلیم وتعلم کا کام سرانجام دے رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: دونوں بھلائی پر ہیں۔ یہ حلقہ قرآن پڑھ رہا ہے اور اللہ سے دعاء کرر ہا ہے۔ اللہ چاہے تو اس کی دعاء قبول فرمائے، یا نہ فرمائے۔ دوسرا حلقہ تعلیم وتعلم میں مشغول ہے (یہ زیادہ بہتر ہے) اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر یہیں بیٹھ گئے۔)

اہل علم کا صرف یہی مقام ومرتبہ نہیں ہے کہ اسے دنیا کی تمام چیزوں پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کام میں وہ جب تک مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اس کے لیے دعاء کرتی رہتی ہے، بلکہ اس کا مقام ومرتبہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے انہیں انبیاء کا وارث اور جانشین قرار دیا ہے:

” مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَبْتَغِى فِيهِ عِلماً سَلَكَ اللّٰهُ بِه طَرِيقاً اَلَى الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الْمَلائِكَةَ لَتَضَعُ اَجنِحَتَهَا رَضًى لِطَالِبِ الْعِلمِ، وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِى السَّمٰواتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِى الْمَاءِ، وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ، اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَماً، اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ اَخَذَ بِه فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ.“(۵)

(جو کوئی حصول علم کی غرض سے راستہ طے کرے تو خدا اس کے سبب اسے جنت کی ایک راہ چلاتا ہے۔ فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور یقیناً عالم کے لیے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی میں ہیں۔ عابد پر عالم کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی چاند کو تمام تاروں پر۔ بلاشبہ علماء ہی پیغمبروں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے ترکہ میں نہ دینار چھوڑا ہے اور نہ درہم۔ انہوں نے تو صرف علم کو اپنے ترکہ میں چھوڑا۔ پس جس کسی نے علم حاصل کیا اس نے ہی حصہ کامل پایا۔)

علم کا دائرہ بہت وسیع ہے

قرآن میں جہاں بھی علم کا تذکرہ کیا گیا ہے، بیش تر مقامات پر مطلق علم کا ذکر ہوا ہے۔ اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اپنی ذات کے اعتبار سے لامحدود ہے اور اسلام نے اس کی لامحدودیت کو برقرار رکھتے ہوئے حکم دیا ہے کہ علم حاصل کرو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْعِلْمُ ثَلاثَۃٌ: فَمَاوَرَاءَ ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ، آیَۃٌ مُحْکَمَۃٌ، اَوْ سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ.“(۶)

(اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: علم تین ہیں: آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضۂ عادلہ، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ زائد ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں جو تفصیل آئی ہے، اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

”یَبْعَثُ اللّٰہُ الْعِبَادَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، ثُمَّ یُمَیِّزُ الْعُلَمَاءَ فَیَقُوْلُ: یَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ اِنِّی لَمْ اَضَعْ عِلْمِیْ فِیْکُمْ لِاعَذِّبَکُمْ، اذْھَبُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ.“(۷)

(قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو زندہ کرے گا اور اس میں علماء کو ممتاز کرے گا اور فرمائے گا اے پڑھے لکھے لوگو! میں نے اپنا علم تمہارے اندر اس لیے نہیں رکھا کہ میں تمہیں عذاب دوں، جاؤ تم سب کی مغفرت کردی۔)

عالم کہتے ہی ہیں پڑھے لکھے لوگوں کو، چاہے اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہو یا حدیث کی، فقہ کی کی ہو یا کلام ومنطق کی۔ سائنس کی ڈگری لی ہو یا میڈیکل سائنس کی۔ نیچرل سائنس پڑھا ہو یا آرٹس کے مضامین۔ سارے کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں شمار کیے جائیں گے۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسان کو ہمیشہ کام آئے گی، مقصد نیک ہو اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو اس کی بدولت وہ دین ودنیا کی ساری نعمت اور دولت حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن میں متعدد مقامات پر اہل ایمان کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں دینی علوم بھی شامل ہیں اور سائنسی علوم بھی۔ بلکہ ان آیات کی تلاوت کی جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آج ہم جن چیزوں کو سائنس وٹکنالوجی کا علم کہتے ہیں، اسکے حصول پر خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے۔ جگہ جگہ فرمایا گیا ہے: تم اپنی صلاحیتوں کو کام میں کیوں نہیں لاتے؟ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ تم قرآنی آیات پر غور کیوں نہیں کرتے؟ تمہارے اندر شعور کیوں نہیں ہے؟ تم سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتے؟ میری نشانی پر غور کیوں نہیں کرتے؟ گویا کہ قرآن مجید میں لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں ۸۷۷ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ان سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ قرآن مجید کی رو سے علم کو

غیر معمولی بلکہ فوق الکل اہمیت حاصل ہے اور جب یہ لفظ جزوی ترادف کے ساتھ دوسرے مرادفات (مثلا تعقلون، یتدبرون، تفھمون، تشعرون.) وغیرہ کے ساتھ مل کر یا ان کی جگہ آتا ہے تو ان سے علم کے طریقوں، غایتوں اور جہتوں کا پتہ چلتا ہے۔(۸)

انسان کو جس چیز سے واسطہ پڑ سکتا ہے، اس کے حل کے لیے معلومات حاصل کرنا اور اس میں مہارت پیدا کرنا اسلام کو مطلوب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب پیدا کیا تو انہیں وہ تمام علوم عطا کیے جن سے ان کا واسطہ پڑ سکتا تھا۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے:

”وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاء كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاء هَـؤُلاء إِن كُنتُمْ صَادِقِين. قَالُواْ سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ.“ (البقرہ:۳۱)

(اور سکھایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام اور پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے، پھر اللہ نے فرمایا ان سے بتاؤ مجھ کو ان کے نام اگر تم سچے (جانتے) ہو؟ فرشتوں نے کہا: تیری ذات پاک ہے، ہم کو نہیں معلوم، مگر جتنا تو نے مجھے علم دیا ہے۔ بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا اور حکمت والا۔ پھر اللہ نے آدم سے کہا: بتاؤ تم ان کو ان چیزوں کے نام۔ جب انھوں نے بتادیا ان کے نام، تو اللہ نے فرشتوں سے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خوب جانتا ہوں ان چیزوں کو جو آسمان وزمیں میں چھپی ہوئی ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں جو ظاہر ہے اور جو چیز چھپی ہوئی ہے۔)

حکمت ودانائی کی بات مومن کی گم شدہ پونجی ہے

انسان کو جب اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا ہے (البقرہ:۲۰) تو ضروری ہے کہ وہ خلافت کا حق ادا کرے۔ یہ کام ایسے ہی انجام نہیں پائے گا۔ اس کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور ہر طرح کے لوگ درکار ہوتے ہیں، تاکہ وہ اپنے علم وہنر اور تجربے کی روشنی میں اور خلافت کی ضرورتوں کو پورا کریں۔ اگر نفع بخشی کا سامان کسی دوسری جگہ سے حاصل ہو تو یہ بھی ضروری ہے کہ

اسے وہاں سے حاصل کیا جائے، اگر وہ اس کے حصول میں کوتاہی کرے گا تو خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہوگا۔ اللہ کے رسولؐ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

”اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔“(۹)

(حکمت ودانائی کی بات مومن کی گم شدہ پونجی ہے، پس جہاں بھی پائے حاصل کرنا چاہیے)

حکمت کے معنی ڈکشنری میں وہی ملیں گے جو سائنس کے معنی ہیں۔ یعنی اشیاء اور چیزوں کی حقیقتوں پر غور کرنا، اسے پہچاننا اور سمجھنا، اس کے خواص اور تاثیرات کو معلوم کرنے کے بعد اس کو اپنے لیے اور دوسروں کے لیے نفع بخش بنانا اور استعمال میں لانا ہے۔

علم سے انسان کے اندر اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے ہیں

جب انبیاءِ سابقین کے عہد میں علم واخلاق کو عمومی وسعت حاصل نہ ہوسکی تو کیسے ممکن تھا کہ دنیا میں اخلاق وکردار اور تہذیب وتمدن کا بول بالا ہو۔ انبیاء کی آمد سے ان کے اندر کسی قدر تہذیبی قدروں کو ترقی ضرور ہوئی، مگر جلد ہی وہ فنا ہوگئی۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ پہلے بھی جہالت میں مبتلا تھے اور بعد میں بھی یہ صورت برقرار رہی۔ بڑے اچھے انداز میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”دنیا میں بابل واسیریا، ہندوستان وچین، مصر وشام، یونان وروم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے۔ اخلاق کے بڑے بڑے نظریے قائم کیے گئے۔ تہذیب وشائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے۔ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے، سونے جاگنے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم ومسرت، دعوت وملاقات، مصافحہ وسلام، غسل وطہارت، عیادت وتعزیت، تبریک وتہنیت، دفن وکفن کے بہت سے رسوم، آداب، شرائط اور ہدایات مرتب ہوئے اور ان سے ان قوموں کی تہذیب، تمدن، اور معاشرت کے اصول بنائے گئے۔ یہ اصول صدہا سال میں بنے پھر بھی بگڑ گئے۔ صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی تاہم وہ فنا ہوگئے۔“(۱۰)

لیکن قرآن، پیغمبر عربی ﷺ نے صالح معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کا جو درس دیا وہ اس وقت سے لے کر آج تک اپنی اصل صورت میں برقرار ہے اور جب تک مسلمانوں کے اندر دینی وعلمی روح زندہ رہے گی، دنیا میں اخلاقی اقدار کی بالادستی رہے گی۔ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ خود کو اخلاق کا

نمونہ بنائیں۔ گھر میں ہوں یا بازار میں، محفل میں ہوں یا مجلس میں، ہر جگہ اخلاق کا مظاہرہ کرنا اسلام کو مطلوب ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا۔ دوست ہو یا دشمن، اپنے ہو کہ پرائے، سب کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اگر علم حاصل کرنے کے بعد آدمی کے اندر یہ صفت پیدا نہ ہوئی تو ایسا علم کسی کام کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسولؐ فرمایا کرتے تھے: بُعِثْتُ لِاُتَمِّم حُسْن الِاخْلاق۔(۱۱) آپ کے اس وصف خاص کی گواہی قرآن مقدس میں بھی موجود ہے: اِنَّكَ لَعَلیٰ خُلق عَظِیم۔ (القرآن) (آپؐ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔) ایک مرتبہ چند صحابہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوے اور ان سے دریافت کیا کہ ہمیں حضورؐ کے اخلاق اور معمولات کے بارے میں کچھ بتائیے۔ انہوں نے فرمایا: خُلُقَ رَسُوْل اللّٰه ﷺ کَا نَ الْقُرْآن۔(۱۲) (آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔) باوجود اس کے آپؐ ہر وقت درستیٔ اخلاق کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے اور خدا کے حضور یہ دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنَ خُلُقِی۔(۱۳) (اے اللہ میرے اخلاق کو بھی اسی طرح اچھا کردے جس طرح تو نے میرے چہرے کو اچھا بنایا ہے۔) آپؐ سے کسی نے پوچھا کون لوگ اچھے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”اِنَّ خَیَارَکُم اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقاً۔“ (۱۴) سب سے بہتر انسان وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔) ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا: اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُم خُلُقاً۔(۱۵) (سب سے زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔) اس طرح بہت سی احادیث ہیں جن میں اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

اخلاق صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں سے ہنستے مسکراتے مل لیا اور اس کے ساتھ کچھ اچھی باتیں کرلیں۔ یہ تو اخلاق کا جزو ہے، ان کے علاوہ بھی اور بہت ساری باتیں اخلاق میں داخل ہیں۔ یہ خوبیاں اسی وقت پیدا ہوں گی جب ہم علم سے آراستہ و پیراستہ ہوں گے۔ اللہ اور اس کے بتائے ہوے راستہ پر چلیں گے۔ اگر ایک آدمی اچھے اخلاق کا حامل ہے تو کسی کے ظلم کو برداشت کرنا بھی اخلاق کے دائرہ میں آتا ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ کرنا اور انتقام لینا بے اخلاقی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تلخ باتوں پر صبر کریں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا کرنے سے وہ ہم نوا بن جائے۔ غصہ کرنا، بدلہ لینا، کسی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش نہ آنا، کسی کا مال غصب کرنا، چوری ڈکیتی کرنا یہ مذموم حرکتیں ہیں، جو بداخلاقی ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

”لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَة اِنَّمَاالشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَالْغَضَب.“(۱۶)

(طاقت ور وہ آدمی نہیں ہے جو کشتی میں کسی کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ آدمی طاقت ور ہے، جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

"خَصۡلَتَانِ لَاتَجۡتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ: حُسۡنُ سَمۡتٍ، وَلَافِقۡهٌ فِي الدِّيۡنِ." (۱۷)

(دو عادتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔ایک اچھی عادت اور دوسرے دینی بصیرت۔)

دنیا کے لیے نفع بخش بنا جائے

اسلام حکم دیتا ہے کہ اپنے آپ کو ضرر رساں نہیں بلکہ نفع بخش بناؤ۔ایک انسان کے قول وعمل سے دوسرے انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔اچھی اور بھلی باتوں کا تمیز وہی انسان کرسکتا ہے جس کے اندر شعور وفراست ہوگی اور یہ خوبی بغیر علم کے پیدا نہیں ہوسکتی۔عقل وشعور تو جاہل کے پاس بھی ہے۔مگر جو فراست ایک پڑھے لکھے کو حاصل ہوگی وہ جاہل کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔اس کے دن رات کے عمل میں، اس کی گفتگو میں، اس کے معاملات میں، اس کے فیصلہ لینے میں ایسی بات کا صادر ہونا جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچ جائے کوئی بعید نہیں ہے۔اگر اسے اس کا ادراک ہوجائے تو وہ جاہل ہی کیوں رہے گا۔اللہ کے رسولؐ کی حدیث سے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔آپؐ نے فرمایا:

"انَّ مَثَلَ عِلۡمٍ لَايَنۡفَعُ كَمَثَلِ كَنۡزٍ لَا يُنۡفَقُ فِي سَبِيۡلِ اللّٰهِ." (۱۸)

(جو علم نفع بخش نہ ہو اس کی مثال اس خزانے جیسی ہے جس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔)

نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

"خَيۡرُ النَّاسِ اَنۡفَعُهُمۡ لِلنَّاسِ." (۱۹)

(اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔)

جب آدمی کے اندر یہ ذوق وجذبہ ہوگا تو یقیناً وہ کوشش کرے گا کہ وہ علم حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔

علم نافع کی دعا بھی کرتے رہنا چاہیے

نبی اکرم ﷺ دنیا کے لیے معلم بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی وجہ سے دنیا میں علم کی روشنی پھیلی اور انسانیت کو روشن اور واضح سمت ملا۔ باوجود اس کے ہر وقت اللہ کے حضور زیادتی علم اور استقامت علم کے ساتھ علم نافع کی دعا کرتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ۔" (۲۰)

(اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور اس دعا سے جو سنی نہ جائے اور اس دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو۔)

علم نافع اور رزق وسیع کے لیے اللہ کے حضور یہ دعا بھی کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ عِلْماً نَافِعاً، عَمَلاً مُتَقَبَّلاً، وَرِزْقاً طَیِّباً." (۲۱)

(اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، عمل مقبول اور پاک رزق کی درخواست کرتا ہوں۔)

کیوں کہ اللہ نے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا:

"وَقُل رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْما." (طٰہٰ:۱۱۴)

(اے پیغمبر کہو: اے میرے رب! میرا علم زیادہ کر۔)

" رَبَّنَا آتِنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَفِیْ الآخِرَةِ حَسَنَةً." (البقرہ:۲۰۱)

(اے میرے رب! تو مجھے دنیا وآخرت دونوں میں اچھا بنا۔)

اللہ نے انسان کو جو علم عطا کیا ہے، اسے ہی حرف آخر نہ سمجھا جائے، بلکہ زیادتی علم کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اسے اپنی محنت اور جدو جہد کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ عطاءِ خداوندی سمجھتے ہوئے یہ اعتراف کرتے رہنا چاہیے:

"وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْما." (النساء:۱۱۳)

(اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو نہیں جانتا تھا اور یہ تیرے رب کا فضل عظیم ہے۔)

جس کو علم وحکمت سے نواز دیا گیا، گویا اسے دین ودنیا کی دولت حاصل ہوگئی۔ ضروری ہے کہ جو علم عطا کیا گیا ہے اس کی قدر کی جائے اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔ باری تعالیٰ نے اہل علم کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

”وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَدْ أُوتِىَ خَيراً كَثِيراً وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الأَلبَابِ.“ (البقرہ:۲۶۹)

(اور جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خوبی کی چیز مل گئی اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”مَن يُرِدِاللّٰهُ بِه خَيرًايُفقّهُهُ فِي الدِّينِ، وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ، وَاللّٰهُ يُعطِى.“(۲۲)

(اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ ہے۔)

عہد نبوی میں علوم وفنون کی ترقی

عہد نبوی کے مدنی معاشرہ پر غور کریں کہ کس کس مپرسی کے عالم میں مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔کھانے کھانے کو ترستے تھے،تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا میسر نہیں تھا، رہنے کو گھر نہیں تھے،لیکن ان کے اندر حصول علم کا جذبہ تھا۔اسی وجہ سے مختصر عرصے میں وہ نمونہ زندگی بن گئے اور زندگی کے ہر شعبے میں کمال پیدا کرکے اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرنے لگے۔چوں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بڑے پیغمبر ہونے کے ساتھ ایک عظیم حکم راں بھی تھے اور کوئی بھی حکومت اس وقت تک صحیح طریقے سے نہیں چل سکتی جب تک کہ اس کے اندر مختلف صلاحیت کے افراد موجود نہ ہوں۔ضروری ہے کہ یہاں طبیب بھی ہوں اور سرجن بھی، یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں بڑھی بھی ہوں اور لوہار بھی، کاشت کار بھی ہوں اور صنعت گر بھی۔جس وقت حضور ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کروارہے تھے،صحابہ کرام مختلف کاموں پر مامور تھے۔کسی کو اینٹ بنانے اور ڈھونے کا حکم دیا تو کسی کو گارا بنانے کا،تو کسی کو کوئی دوسرے کام پر ماموکیا۔ایک صحابی نے خواہش ظاہر کی کہ میں دوسرا کام بھی کرسکتا ہوں، آپؐ نے منع کیا اور فرمایا:نہیں تم گارا گھولو،تم اس کام سے خوب واقف ہو۔(۲۳) گویا کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہرفن کے ماہرین موجود تھے۔کچھ لوگوں نے علمی کام کیے، کچھ لوگوں نے دست کاریاں سیکھیں،بعض صحابہ نے دوسری قوموں کی زبان اوران کی تہذیب وتمدن کا مطالعہ کیا۔(۲۴) اس وقت کی ضرورت کے مطابق کوئی ایسا علم اورفن نہ تھا جس میں صحابہ کرام پیچھے رہے ہوں۔عملی علم ہو یا فنی، سبھی میں صحابہ کرام ماہر اور یکتاءِ روزگار تھے۔مندرجہ ذیل اقتباس

سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''ایک طرف عقلاءِ روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہاں باں اور ملکوں کے فرماں روا اس درس گاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں، جنھوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرماں روائی کی اور ایسی فرماں روائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکم راں کی سیاست وتدبر اور نظم ونسق کے کارناموں کو منسوخ کردیتی ہے۔ دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ، عمرو بن العاصؓ ہیں جنھوں نے مشرق ومغرب کی دو ظالم وگناہ گار اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں قلع قمع کردیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ تیسری طرف وہ صحابہ ہیں جنھوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔ چوتھی طرف علماء وفقہاء کی صف ہے۔ انھوں نے اسلام کے فقہ وقانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مقنن میں خاص درجہ پایا۔ پانچویں صف عام ارباب روایت وتاریخ کی ہے، جو احکام ووقائع کے ناقل وراوی ہیں۔ ایک چھٹی جماعت ان ستر صحابہ (اصحاب صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجد نبوی کے چبوترے کے سوا کوئی جگہ نہ تھی۔ ساتواں رخ دیکھو! ابوذرؓ ہیں، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لیے اٹھا رکھنا بھی شان توکل کے خلاف تھا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد وتقویٰ کی تصویر ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ ہیں جن کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم وحریر کے کپڑے پہنتے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا۔ عثمان بن مطعونؓ ہیں جو اسلام سے پہلے صوفی کہلاتے ہیں۔ ابودرداؓ ہیں کہ جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔ ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری ہیں اور مدینہ کے کاشت کار اور کسان بھی ہیں اور بڑے بڑے دولت مند بھی ہیں۔

ان نیرنگیوں اور اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی۔ وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوندرہی تھی، کوئی بھی ہوں توحید کا نور، اخلاق کی رو، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خداتعالیٰ کی رضاطلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کررہا تھا۔'' (۲۵)

عہد نبوی کے ترقی پذیر علوم وفنون

قرآن وحدیث اور دوسرے علوم کی نشرواشاعت کے علاوہ عہد نبوی میں بعض ترقی پذیر علوم فنون بھی تھے اور جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف فنون کے ماہرین پائے جاتے تھے۔ ان میں خاص طور سے طب وجراحت اور علم ہیئت بہت مقبول تھا۔ علم ہیئت اس لیے اہم تھا کہ اس کے ذریعہ رات کے وقت مسافر اپنا راستہ معلوم کرتے اور اوقات حج کے تعین کے ساتھ مذہبی تقریبات وقت پر انجام دیتے تھے۔ طب وجراحت اس لیے دل چسپ فن تھا کہ اس پر انسانی صحت کی بحالی کا انحصار تھا۔ ڈاکٹر حمیداللہ لکھتے ہیں:

''عہد نبوی میں علوم وفنون زیادہ نہیں تھے لیکن جو فنون تھے، ترقی پذیر تھے اور ان کی ضرورت بھی تھی۔ ان میں سے ایک چیز طبابت ہے۔ اس کے متعلق ہمیں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں طبیبوں کی حالت اور جراحی کرنے والوں سرجنوں کے حالات پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اس طرح ایک حدیث میں ذکر ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی بیمار ہوے۔ رسول اللہؐ ان کی عیادت کو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہارے محلے یا قبیلے میں کوئی طبیب ہے؟ جواب میں دو نام بتائے جاتے ہیں۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں ان میں سے جو ماہر تر ہو اسے بلاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ علم میں تخصیص پیدا کریں اور ماہروں سے علاج کرائیں۔ اس سے لوگوں کو ماہر بننے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ اسی طرح اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ آں حضرتؐ طبابت سے ناواقف شخص کو اس کی اجازت دینا نہیں چاہتے کہ وہ طبیب بن جائے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس شخص کو علم طب سے کوئی واقفیت نہیں، اگر وہ علاج کرے تو اسے سزا دی جائے گی، کیوں کہ اناڑی پن سے لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح کی اور

مثالیں بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں علم طب کی کافی اہمیت سمجھی جاتی تھی اور علاج سادہ مفردات کے ذریعہ ہوتا تھا۔ رسول اللہؐ سے بے شمار نسخے منسوب ہیں۔'' (۲۶)

(باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

مآخذ ومراجع

(۱) سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۹۵

(۲) ابراہیم عمادی ندوی، مسلمان سائنس داں اوران کی خدمات، مکتبۃ الحسنات، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۸

(۳) ابوعیسی ترمذی، جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ سلیمان بن الاشعث، سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب فضل العلماء۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، المطبعۃ المیمنیہ، مصر ۱۳۱۳ھ، ج:۵،ص:۱۹۶۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۴) ابوعبداللہ محمد یزید الربعی، سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلم والحث علی طلب العلماء۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۵) ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل بخاری، الجامع الصحیح من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل۔ جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب فضل العلماء۔ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلم والحث علی طلب العلماء۔ مسند احمد، ج:۵،ص:۱۹۶۔

(۶) سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب اجتناب الرای والقیاس۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب ماجاء فی تعلیم الفرائض

(۷) رواہ طبرانی فی الکبیر، حافظ ذکی الدین عبدالعظیم، الترغیب والترہیب، دارالریان، قاہرہ، ۱۹۸۷ء، ج:۱،ص:۱۰۱

(۸) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہو، ۱۹۷۶ء، ج:۱۳،ص:۴۴۷

(۹) جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فضل الفقہ علی العبادۃ۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب الحکمۃ۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے: ضعیف جدا۔

(۱۰) خطبات مدراس، ص:۱۸

(۱۱) مالک بن انس بن مالک، الموطا، کتاب حسن الخلق

(۱۲) سنن ابوداؤد، کتاب التطوع، باب فی صلوٰۃ اللیل

(۱۳) مسند احمد، ج:۱،۴۰۳، ج:۶، ۶۸، ۱۵۵

(۱۴) الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخا۔ مسند احمد، ج:۲،ص:۴۶۷

(۱۵) سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ، جامع الترمذی، کتاب الرضا، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ابواب الایمان، باب استکمال الایمان والزیادۃ والنقصان مسند احمد، ج:۲،ص:۲۵۰، ۴۷۲، ۶۲۷۔ ج:۶، ص:۴۷-۹۹

(۱۶) الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب۔ ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری المسند الصحیح مسلم، کتاب البر، باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب۔ موطا امام مالک، باب حسن الخلق۔ مسند احمد، ج:۳،ص:۲۳۶، ۲۶۸، ۲۰۷

(۱۷) جامع الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فضل الفقہ علی العبادۃ۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۱۸) مسند احمد، ج:۲، ص:۴۹۹

(۱۹) عبدالرؤف المناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، داراحیاء السنۃ النبویہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۹۳۸ء، ج:۳، ص:۴۸۱

(۲۰) سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب انتفاع بالعلم والعمل۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۲۱) مسند احمد، ج:۶، ص:۲۹۴، ۳۰۵، ۳۱۸، ۳۲۲

(۲۲) الصحیح البخاری، کتاب العلم، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، کتاب الاعتصام، باب تعلیم النبی۔ سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلم والحث علی طلب العلم

(۲۳) ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج:۱، ص:۴۲۷، بحوالہ: زرقانی، ج:۱، ص:۳۶۸

(۲۴) جامع الترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب فی تعلیم السریانیۃ۔ علامہ البانی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۲۵) خطبات مدراس، ص:۹۷-۱۰۲ (ملخص)

(۲۶) ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بھاولپور، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۷ء ص:۳۱۹-۳۲۰

درسِ ختمِ بخاری شریف

(۲)

افادات: مفتی عمر فاروق لوہاروی
شیخ الحدیث دارالعلوم لندن-یوکے
ترتیب: الیاس لوہاروی (جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل)

میزان کا ذمہ دار کون ہوگا؟

قیامت کے دن میزان کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ میزان کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) بعض کہتے ہیں، کہ میزان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہی وزن کریں گے، تولیں گے۔ انھوں نے اس کے لیے اس روایت سے استدلال کیا ہے، جو "صحیح بخاری" کی "کتاب التفسیر" اور "کتاب التوحید" میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يدُ اللّٰه ملأىٰ لا تغيضها نفقة سحاء الليل والنهار وقال: أ رأيتم ما أنفق منذ خلق السماءَ والأرضَ فانه لم يَغض ما في يده كان عرشُه على الماء وبيده الميزانُ يخفض ويرفع. دوسرے طریق میں "وبيده" کے بعد "الأُخرىٰ" کا اضافہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن ورات مسلسل خرچ کرنا اس کو کم نہیں کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، اس وقت سے اب تک کس قدر خرچ کیا، لیکن پھر بھی اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے، اسے کم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا، یعنی تخلیق ارض وسماء کے وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ یا اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے، یعنی فی الحال بھی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں یا اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے، وہ اس کو کسی کے لیے پست اور کسی کے لیے بلند کریں گے۔"

لیکن امام داودی اور امام خطابی وغیرہ شرّاح رحمہم اللہ فرماتے ہیں، کہ یہاں قیامت میں قائم ہونے والی میزان کا بیان نہیں؛ بلکہ میزانِ رزق کا بیان ہے، جیسا کہ سباقِ کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور خفض ورفع سے مراد دنیا میں روزی کا کم وبیش کرنا ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ رزق کی تقسیم کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ کسی پر روزی تنگ کرتے ہیں اور کسی پر فراخ۔ اگرچہ ان کے خزانے میں کوئی ٹوٹا نہیں، مگر وہ اپنی حکمت ومصلحت کے موافق کسی کو زیادہ روزی دیتے ہیں اور کسی کو کم دیتے ہیں۔

(۲) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے، کہ مَلَکُ الموتِ مؤ کَّلٌ بالمیزان. ''ملک الموت میزان کے ذمہ دار ہوں گے۔''

یہاں یہ ملحوظ رہے، کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں روح قبض کرنے والے فرشتے کو ''ملک الموت'' ہی سے تعبیر کیا گیا ہے، ''عزرائیل'' کے نام سے نہیں؛ البتہ بعض آثار میں ''عزرائیل'' وارد ہوا ہے۔

(۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''التاریخ الکبیر'' میں، یعقوب بن سفیان نے اپنے ''فوائد'' میں اور ابوالشیخ نے ''کتاب السنۃ'' میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے، کہ صاحبُ المیزان یومَ القیامۃ جبریل. ''قیامت کے دن میزان کے ذمہ دار حضرت جبریل علیہ السلام ہوں گے۔'' بعض علماء فرماتے ہیں، کہ حضرت جبریل علیہ السلام دنیا میں میزان شریعت کو لانے والے ہیں، اس لیے اس پر عمل کی کیفیت کے اظہار کے لیے قیامت کے دن وہ میزان بھی ان کے سپرد کی جائے گی۔

(۴) ''نوادر الاصول'' للحکیم الترمذی میں ہے، کہ حضرت جبریل علیہ السلام ترازو کی ڈنڈی کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہوں گے، اور کانٹے پر ان کی نظر ہوگی۔ اور حضرت میکائیل علیہ السلام میزان کے نگراں ہوں گے۔

قیامت کے دن وزنی پلڑا نیچے کی طرف جھکے گا یا اوپر کی طرف اٹھے گا؟

قرآن وسنت میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے، کہ قیامت کے دن نیکیوں والے پلڑے کا وزنی ہونا یا ہلکا ہونا کیسے ظاہر ہوگا؟ البتہ علماء کے اس میں تین اقوال ہیں:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں، کہ نیکیوں والے پلڑے کا وزنی ہونا ایک نور کے ظاہر ہونے

سے ہوگا، اور نیکیوں والے پلڑے کا ہلکا ہونا ظلمت کے ظاہر ہونے سے ہوگا۔

دوسرے علماء فرماتے ہیں، کہ ایسا نہیں ہوگا؛ بلکہ پلڑے کے نیچے جھکنے یا اوپر اٹھنے سے وزنی ہونا اور ہلکا ہونا ظاہر ہوگا، چناں چہ:

(۲) شیخ شہاب رملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ جس طرح دنیا میں وزنی پلڑا نیچے کی طرف جھکتا ہے، اور ہلکا پلڑا اوپر کی طرف اٹھا رہتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن وزنی پلڑا نیچے کی طرف جھکے گا، اور ہلکا پلڑا اوپر کی طرف اٹھا رہے گا۔

(۳) علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ آخرت میں دنیا کے برعکس وزنی پلڑا یعنی نیکیوں کی وجہ سے وزنی پلڑا اوپر کی طرف اٹھے گا۔ اور جو پلڑا نیکیاں نہ ہونے کی وجہ سے ہلکا ہوگا، وہ نیچے کی طرف رہے گا۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه﴾ (الفاطر: ۱۰) ”پاکیزہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں، اور عمل صالح ان کو اٹھاتا ہے۔“ کلمہ توحید جیسے پاکیزہ کلمات اور دیگر اعمالِ صالحہ کا اوپر کی طرف چڑھنا اور اٹھانا دلالت کرتا ہے، کہ اگر نیکیاں ہوں گی تو وہ پلڑا اوپر کی طرف اٹھے گا، اور دوسرا پلڑا نیچے کی طرف رہے گا۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ بعض علماء کا یہ قول کہ دنیا کے برعکس آخرت میں وزنی پلڑا اوپر کی طرف اٹھے گا، اور ہلکا نیچے کی طرف رہے گا، ایسا ہی ہے جیسے ابلیس اور اس کی قوم کے متعلق قرآن مجید میں ہے: ﴿انه یراکم هو وقبیله من حیث لاترونهم﴾ (الاعراف: ۲۷) ”وہ اور اس کی قوم تم کو اس طور پر دیکھتی ہے، کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔“ محشر میں حال برعکس ہوگا، ہم ان کو دیکھیں گے، وہ ہم کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ کہتا ہے، کہ بدرزرکشی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے جن بعض علماء کے حوالہ سے نقل کیا ہے، بسا ممکن ہے، ان بعض سے مراد شیخ عارف بن ابی جمرہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، کیوں کہ انھوں نے ”بهجة النفوس“ میں یہ موقف اختیار فرمایا ہے۔

علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقف کو غریب اور علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غریب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فاما من ثقلت موازینه...﴾ سے مُصادم ومُعارض قرار دیا ہے۔

بندہ کے ناقص خیال میں ﴿فامن من ثقلت موازینه...﴾ جیسی آیات سے اسے مُصادم ومُزاحم قرار دینا قابل غور ہے، اس لیے کہ ان آیات میں موازین کی ثقالت وخفّت کا ذکر

ہے، لیکن ثقالت کیسے ثابت ہوگی، پلڑے کے اوپر اٹھنے سے یا نیچے کی طرف جھکنے سے؟ ﴿فاما من ثقلت موازینه...﴾ جیسی آیات اس کے بیان سے ساکت ہیں، تو معارضہ کیسے ہوگا؟

''الموازین'' کس کی جمع ہے؟

﴿ونضع الموازین﴾ اور ہم موازین قائم کریں گے، رکھیں گے۔

قرآن مجید میں بروز محشر وزنِ اعمال کے بیان کے موقع پر "موازین" بصیغۂ جمع ہی استعمال ہوا ہے؛ البتہ احادیث میں جمع کے لفظ کے ساتھ "موازین" بھی آیا ہے، اور مفرد کے لفظ کے ساتھ "میزان" بھی آیا ہے۔

یہاں آیت قرآنیہ میں "الموازین" کس کی جمع ہے؟

(۱) بعض شراح نے اس موقع پر یہ بحث کرتے ہوئے بعض مفسّرین کا دوسری آیات میں بیان کردہ ایک احتمال یہ ذکر کیا ہے، کہ یہ "موزون" کی جمع ہے۔ اس صورت میں موازین سے اعمالِ موزونہ مراد ہوں گے، اور مطلب یہ ہوگا، کہ ہم قیامت کے دن اظہارِ عدل کے لیے اعمالِ موزونہ کو حاضر کریں گے۔

یہ بات اگرچہ اپنی جگہ نا قابل اشکال ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعمال کو حاضر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ووجدوا ما عملوا حاضرا﴾ (الکھف: ۴۹) ''اور سب اہل محشر اپنے کیے ہوئے اعمال کو حاضر پائیں گے۔'' اس کے علاوہ آیات میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ پھر یہ ایک الگ بحث ہے، کہ خود اعمال ہی کو موجود و حاضر پائیں گے، یا ان کی جزا و سزا کو۔ مگر بندہ کے ناقص خیال میں یہ احتمال بعض مفسرین نے جن دیگر آیات میں بیان کیا ہے، وہاں جاری کرنا ہو، تو کریں، لیکن ﴿ونضع الموازین﴾ میں جاری کرنے کی نہ کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے مشہور تفاسیر میں اِس آیت کریمہ میں یہ احتمال بیان ہی نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ جیسے شراحِ حدیث نے اس کو یہاں ذکر کیا ہے۔ درحقیقت ابواسحاق زَجّاج نے سورۃ الاعراف کی آیت ﴿فمن ثقلت موازینه﴾ کے ذیل میں "موازین" کہنے اور "میزان" نہ کہنے کی دو وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ذکر کی ہے، کہ یہ "موزون" کی جمع ہے۔ انصاف کی بات یہ ہے، کہ یہ خواہ مخواہ بلا ضرورت ظاہر لفظ سے عدول ہے، ورنہ اس آیت میں بھی حقیقت پر محمول

کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۲) لہٰذا متعین طور پر کہا جائے گا، کہ یہاں "الموازین" یہ "المیزان" کی جمع ہے۔

''الموازین'' جمع کیوں لایا گیا؟

جب یہ "المیزان" کی جمع ہے، تو سوال یہ ہے، کہ قیامت کے دن وزنِ اعمال کے لیے ایک میزان ہوگی یا متعدِّد؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ اس میں دونوں ہی قول ہیں۔

قولِ اول: میزان متعدد ہوں گی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اظہر قرار دیا ہے۔

میزان کا تعدّد کس اعتبار سے ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: (۱) اَفراد یعنی عاملین کے تعدّد کے اعتبار سے میزان متعدد ہوں گی۔ ہر صاحب عمل کی میزان الگ ہوگی۔ اس کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (۲) اَعمال کے اعتبار سے میزان متعدد ہوں گی۔ ہر عمل کے لیے الگ الگ میزان ہوگی۔ نماز کے لیے ایک میزان، روزہ کے لیے ایک میزان، زکاۃ کے لیے ایک میزان، وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ہوسکتا ہے قلوب کے افعال کے لیے ایک میزان ہو، اعضاء کے افعال کے لیے ایک میزان ہو، اور قول سے متعلق امور کے لیے مستقل ایک میزان ہو۔

قولِ ثانی: میزان ایک ہی ہوگی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی راجح ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ الاکثر علی أنه انما هو میزان واحد. ''اکثر علماء اس بات پر ہیں، کہ میزان ایک ہی ہے۔'' شیخ ابوحیّان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان ایک ہونے کے قول کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میزان ایک ہونے پر یہ اشکال نہ ہو، کہ عاملین تو بہت زیادہ ہوں گے، ان سب کا وزن ایک میزان سے کس طرح ہوسکے گا؟ کیوں کہ قیامت کے احوال کا دنیا کے احوال پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

جب میزان ایک ہوگی تو پھر جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

(۱) میزان کے پلڑے، کانٹا اور ڈنڈی وغیرہ اجزاء کے اعتبار سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ جیسے ''سراویل'' میں ایک قول کے مطابق جمع کا صیغہ اجزاء ہی کے اعتبار سے مانا گیا ہے۔

(۲) عاملین چونکہ کئی ہیں، تو ان کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

(۳) موزونات یعنی صلاۃ وصوم وغیرہ یا قلب وقالب اور زبان کے اعمال کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا۔

(۴) شیخ صفی الدین ابن ابی المصنو ررحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''العقیدۃ'' میں فرماتے ہیں، کہ تمام مکلفین کے صحائف کو ایک ہی وقت میں میزان میں رکھ کر وزن کیا جائے گا، اور ہر آدمی اپنے اپنے وزن کے نتیجہ کو معلوم کرلے گا، اس طرح میزان کلی کی طرف نظر کرتے ہوئے ایک ہے، اوراس کی تفاصیل کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع ہے۔ گویا تفاصیل کا لحاظ کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

(۵) تفخیم شان اور عظمت شان کے لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے، کہ یہ کوئی معمولی میزان و ترازو نہیں ہوگی، بلکہ بہت بڑی میزان ہوگی۔

میزان کے پلڑوں کی وسعت

ابن شاہین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كِفّتا الميزانِ كاطباقِ الدنيا كلِّها. میزان کے دونوں پلڑے دنیا کے تمام طبق کے مانند یعنی شرق وغرب اور شمال وجنوب کو محیط دنیا کی ساری فضا کے برابر ہوں گے۔

ابوالقاسم الطبری اللالکائی نے ''شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة'' میں، ابوبکر الآجرّی نے ''كتاب الشريعة'' میں اور یحییٰ بن صاعد نے ''زوائد الزهد لابن المبارك'' میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے، کہ يُوضع الميزانُ وله كِفّتان، لو وضع في احداهما السمواتُ والارضُ ومَن فيهن لَوَسِعَه. ''میزان قائم کی جائے گی، جس کے دو پلڑے ہوں گے، اگر ان میں سے ایک پلڑے میں آسمان وزمین اور ان میں جو مخلوقات ہیں، ان سب کو رکھ دیا جائے، تو وہ ان کو اپنے اندر سمالے۔''

حاکم رحمہ اللہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يُوضع الميزانُ يومَ القيامة، فلو وُزن فيه السمواتُ والارض لَوسِعتْ. ''قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی، وہ اتنی بڑی ہے، کہ اس میں آسمان وزمین کا وزن کرنا چاہیں، تو ہوسکتا ہے۔''

حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحيحٌ علىٰ شرطِ مسلم'' قرار دیا ہے، اور حافظ

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس حدیث کو حماد بن سلمہ سے مرفوع روایت کرنے میں ہُدبہ بن خالد متفرد ہیں۔ ابونصر التمّار، مُعاذ بن معاذ العنبری وغیرہ ایک جماعت نے اس کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کیا ہے۔ والجماعةُ اولٰی بِالحفظِ مِنْ واحدٍ. اس لیے راجح اس کا موقوف ہونا ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا، کہ شیخ ابوحیّان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان کی ہیئت، طول اور اس کے احوال کے متعلق روایات کو غیر ثابت قرار دیا ہے، تو اس سے اگر ان کی مراد یہ ہو، کہ رفع ثابت نہیں، تو یہ تسلیم ہے۔ اور اگر مطلقاً غیر ثابت مراد ہو، تو یہ محلِّ غور ہے۔

یہاں یہ یاد رہے، کہ ان روایتوں میں تمثیلی صورتوں کا بیان ہے، جو میزان کے پلڑوں کی وسعت بتانے کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔ بڑی سے بڑی وسعت جو عادتاً انسان کے ذہن میں آسکتی ہے، وہ دنیا کی وسعت ہے۔ اس سے آگے آسمان وزمین کی وسعت ہے۔ اور اگر کوئی بہت ترقی کرتا ہے، تو یہ سمجھتا ہے، کہ سب سے بڑی چیز وہ ہوگی، جس میں آسمان وزمین بھی سما جائیں، اور آسمان وزمین کی سب مخلوق بھی سما جائیں۔ روایات کا مقصد تحدید نہیں ہے۔ اب یہ اشکال نہ ہوگا، کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے معلوم ہوتا ہے، کہ میزان کے دونوں پلڑے اتنے بڑے ہیں جتنا بڑا یہ دنیا کا طبق۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ میزان میں آسمان وزمین کا وزن کرنا چاہیں، تو ہوسکتا ہے۔ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اگر ایک پلڑے میں آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات رکھ دی جائیں، تو سب سما جائیں۔ کیوں کہ روایات کا مقصد تحدید ہے ہی نہیں؛ بلکہ تمثیل ہے۔

یہاں کسی کو خیال آئے، کہ اتنی بڑی ترازو قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب اس کا یہ ہے، کہ اعمال کا اجر وثواب میرے اور آپ کے حساب سے نہیں ملے گا؛ بلکہ ربِّ شکور کے حساب سے ملے گا۔ جیسا حاکم ہوتا ہے، اسی کے حساب سے وہ انعام اور داد ودِہش کرتا ہے۔ اسی لیے نوابوں کا انعام اور طریقے کا ہوتا تھا، اور بادشاہوں کا انعام اور طرح کا ہوتا تھا۔ کسی نے عبدالملک بن مروان کی مدح کی، تو اس نے سو اونٹ دیے۔ اس نے جاکر حجّاج کی مدح کی، تو اس نے کہا، کہ امیر المومنین کا مسئلہ نہ ہوتا، تو میں تجھ کو سو اونٹ دیتا، لے میں پچاس دے رہا ہوں۔ تو جیسا حاکم، ویسا انعام ہوتا ہے۔ اور یہاں تو معاملہ احکم الحاکمین کے انعام کا ہے، وہ جب اعمالِ حسنہ پر اجر وثواب دیں گے، تو اپنے حساب سے عطا فرمائیں گے۔ ان کا حساب کیا

ہوگا؟ اس کا بیان کم اور اَعداد کے حساب سے ﴿من جاء بالحسنة فله عشر امثالها﴾ (الانعام: ١٦٠) (جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا، اس کو دس گُنا ثواب دیا جائے گا۔) میں ہوا ہے۔ دس سے بڑھا تو سات سو۔اور آگے فرمایا: ﴿والله يضاعف لمن يشاء﴾ (البقرة: ٢٦١) ''اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیں گے، بڑھا دیں گے۔'' کیف کا کیا حال ہوگا؟ اجر وثواب کتنا بڑا ہوگا؟ اس کو سمجھنے کے لیے ایک حدیث سنیے، حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحمد لله تملأ الميزان، وسبحان الله والحمد لله تملأن ما بين السموٰت والارض. اخرجه مسلم. ''الحمد لله'' میزان کو بھر دے گا۔اور ''سبحان الله'' اور ''الحمد لله'' آسمان وزمین کے بیچ کو بھر دیں گے۔''

اب سوال یہ ہے، کہ آسمان وزمین کی کشادگی کے بقدر میزان یا اس کے ایک پلڑے کی وسعت کا یہ حال، کہ آسمان وزمین اور ان کی مخلوقات اس میں سما جائیں۔اور صرف ''الحمدللہ'' کا ثواب بھی اتنا ہے، یا ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' کا ثواب اتنا، تو باقی اعمال کا ثواب کہاں جائیگا؟

جواب یہ ہے، کہ اعمال کا اجر وثواب نورانیت والا ہوگا، اس لیے اس میں تزاُحم نہیں ہوگا۔ اگر آپ ایک ٹیوب لائٹ روشن کر دیں، تو ساری مجلس چمک جائے گی۔ چار روشن کر دیں، تو اور چمک جائے گی۔ سولہ روشن کر دیں، تو چمک میں اور اضافہ ہو جائے گا، لیکن کیا ان روشنیوں میں تزاحم ہوگا؟ نہیں۔اسی طرح ایک ''الحمدللہ'' یا ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' کا ثواب نورانی پورے ترازو کو بھر دے گا، دوسرے اعمال کے انوار بھی اس میں مدغم اور مُنضم ہوتے چلے جائیں گے، اور اُن میں کوئی تزاحم نہیں ہوگا۔

﴿القسط﴾

''القسط'' ترکیب میں کیا واقع ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

قولِ اول: ''الموازين'' کی صفت ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے، کہ ''القسط'' مفرد ہے، اور ''الموازين'' جمع ہے۔ مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے ''القسط'' یہ ''الموازين'' کی صفت کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

(١) ''القسط'' مصدر ہے اور المصدرُ لا يُثَنّٰى ولا يُجْمَعُ. اس لیے ''الموازین'' جمع ہونے کے باوجود مبالغتاً اس کی صفت ''القسط'' مفرد لانا صحیح ہے۔ معنی ہوں گے: سراسر یا سراپا

انصاف والی ترازو۔

(۲) ابواسحاق زَجّاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ "القسط" یہ بحذف المضاف "الموازین" کی صفت ہے۔ "القسط" سے پہلے لفظ "ذوات" مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے: ونضع والموازینَ ذواتِ القسطِ. اب موصوف وصفت میں مطابقت ہوگئی۔ موصوف بھی جمع ہے، اور صفت بھی جمع ہے۔

قولِ ثانی: شیخ ابوحَیّان رحمۃ اللہ علیہ نے بدرجۂ اِمکان واحتمال ذکر کیا ہے، کہ "القسط" یہ "الموازین" کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ فعل ''نضع'' کا مفعول لہ ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے: ونضعُ الموازینَ لِاَجْلِ القسطِ. ''ہم انصاف کے لیے یعنی انصاف کے اظہار کے لیے قیامت کے دن ترازو قائم کریں گے۔''

﴿لیوم القیامة﴾

حضرات شراح اور مفسرین نے یہاں ''لام'' میں پانچ احتمالات ذکر کیے ہیں:

(۱) لام "فی" کے معنی میں ہے۔ یہ کوفیین کا قول ہے۔ متقدمین میں سے ابن قتیبہ نے اور متأخرین میں سے ابن مالک نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲) لام "عند" کے معنی میں ہے۔

(۳) بحذف المضاف یہ لام اجلیہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی: لحسابِ یوم القیامة. بالجزاءِ یومِ القیامة. یا لِاہل یومِ القیامة.

(۴) لام توقیت یعنی بیانِ وقت کے لیے ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی: لِوقتِ یوم القیامة.

(۵) لام اختصاص کے لیے ہے۔ اور آیت کے معنی ہیں: اختصاصُ وضع المیزانِ بیومِ القیامة. ''میزان قائم کرنا قیامت کے دن کے ساتھ مخصوص ہے۔''

سب بنوآدم کے اعمال تولے جائیں گے؟

وأنّ أعمالَ بنی آدمَ وقولَهم یُوزَن. ''بنوآدم کے اعمال واقوال تولے جائیں گے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر قول "وأنّ اعمالَ بنی آدمَ وقولَهم یُوزَن." عام معلوم

ہوتا ہے، کہ سب انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے، حالاں کہ ایسا نہیں؛ بلکہ ان میں سے وہ مؤمنین خاص اور مستثنیٰ ہوں گے، جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ جن کا تعارف حدیث پاک میں ”ھم الذین لا یسترقون ولا یکتوون ولا یتطیّرون وعلٰی ربّھم یتوکّلون“ (وہ لوگ جھاڑ پھونک نہیں کراتے ہیں، داغ نہیں لگاتے ہیں، بدفالی نہیں لیتے ہیں اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں) کے الفاظ کے ساتھ کرایا گیا ہے۔ ان کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ ”صحیحین“ کی روایت میں بلا حساب جنت میں داخل ہونے والوں کی تعداد ستّر ہزار آئی ہے۔ ”جامع ترمذی“ وغیرہ کی روایت میں ہے، کہ ستّر ہزار میں سے ہر ایک ہزار کے ساتھ ستّر ہزار ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ تین لپ بھر کر مؤمنین کو بلا حساب جنت میں داخل کریں گے۔ طبرانی وغیرہ کی روایت میں ستر ہزار میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ستر ہزار کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بلا استحقاق محض اپنے فضل سے ان میں داخل فرمادیں، آمین۔

صاحب حاشیۃ الجمل فرماتے ہیں، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اعمال کا وزن بھی نہیں ہوگا۔ سنن ابی داود کی ایک روایت میں ہے، کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ کیا آپ اپنے اہل کو قیامت کے دن یاد کریں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امّا فی ثلاثۃ مواطنَ فلا یذکر أحدٌ احدًا: عندَ المیزان حتّٰی یَعلمَ أَیَخِفُّ میزانُہ، او یَثْقُلُ، الحدیث. ”تین مواقع میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا: میزان کے موقع پر، یہاں تک کہ وہ جان لے، کہ اس کی میزان ہلکی ہوتی ہے یا وزنی۔“ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اس روایت کا ظاہر یہ ہے، کہ یہ ہر ایک کو عام اور شامل ہے، اور اس سے کوئی نبی اور رسول مستثنیٰ نہیں۔ گویا انبیاء بھی میزان کے موقع پر جب تک انھیں اپنے وزنِ اعمال کا نتیجہ معلوم نہیں ہوجائے گا، کسی کو یاد نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ انبیاء علیہم السلام کے اعمال بھی تولے جائیں گے۔ لیکن دوسرے علماء فرماتے ہیں، کہ حضرات انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں، جیسے ستّر ہزار والی جماعت مؤمنین مستثنیٰ ہے۔ اور یہ حدیث مؤول ہے۔ قبل الاعلام پر محمول ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام اسلوب اختیار فرمانا اس لیے ہے، تاکہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اور کوئی زوجۂ مطہرہ آپ پر تکیہ نہ کرلے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ مؤمنین میں سے جن کے پاس کوئی سیئہ نہ ہوگا، صرف حسنات ہی ہوں گی، وہ بلا حساب و میزان جنت میں داخل ہوں گے، جیسے ستر ہزار

اور جن کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ لاحق کرنا چاہیں۔ اسی طرح کفار میں سے جن کے پاس کفر کے علاوہ دوسرا کوئی گناہ نہ ہوگا، اور نہ کوئی بھلائی کا کام ہوگا، تو بلا حساب ومیزان ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

کفار کے اعمال کا وزن ہوگا؟

''بنی آدم'' میں کفار بھی داخل ہیں، لہٰذا اس کے ظاہر کا تقاضہ ہے، کہ کفار کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ ویسے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

(۱) ابوبکر عبدالعزیز قاضی ابویعلی، ابوالحسن تمیمی، علی بن سعید رُسْتُغْنی رحمہم اللہ اور بقول علامہ آلوسی رحمہ اللہ کثیر علماء فرماتے ہیں، کہ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے اعمال تو اکارت وحبط ہوجانے کی وجہ سے ان کے پاس کوئی حسنہ نہیں، جس کا وزن کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا﴾ (الكهف: ١٠٥) ''قیامت کے دن ہم ان کے لیے ذرا بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔''

لیکن اس کا جواب دیا گیا ہے، کہ یہ ان کی حقارتِ قدر سے کنایہ ہے، چناں چہ جب کسی آدمی کی دوسرے کی نظر میں کوئی قدر وقیمت نہ ہو، تو کہتے ہیں: ان فلاناً لايقيم لفلان وزناً. لہٰذا اس سے عدمِ وزن لازم نہیں آتا۔

(۲) ابوحفص برمکی، ابوسلیمان دِمشقی، ابوطالب مکی، حافظ ابن حجر عسقلانی، ملا علی قاری رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ کفار کے اعمال کا وزن ہوگا۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ومن خفت موازينه فاولئك الذين خسروا انفسهم في جهنم خٰلدون تلفح وجوههم النار وهم فيها كلحون﴾ (المؤمنون: ١٠٣، ١٠٤) ''اور جس شخص کا پلڑا ہلکا ہوگا، سو یہ وہ لوگ ہوں گے، جنھوں نے اپنا نقصان کرلیا، اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے، ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی، اور اس میں ان کے منھ بگڑے ہوں گے۔'' ظاہر ہے، کہ کوئی بھی مؤمن ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا، اور اِس آیت میں تو پلڑا ہلکا ہونے والوں کے لیے ''خلود'' بیان کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ آیت کفار کے حق میں ہے۔ نیز اس کے بعد متصلاً ارشاد ہے: ﴿الم تكن ايٰتي تتلى عليكم فكنتم بها تكذبون﴾ (المؤمنون: ١٠٥) ''کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں، اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرنے والے کفار ہیں۔

الغرض اس آیت سے کفار کے اعمال کا وزن کیا جانا ثابت ہوتا ہے۔

کفار کے وزنِ اعمال کی کیفیت

کفار کے اعمال کا وزن کس طرح ہوگا؟ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''التذکرۃ'' میں دو صورتوں کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے، لیکن ان سے قبل امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ان دو احتمالات کو بیان کر چکے ہیں:

(۱) ان کے کفر یا کفر اور اعمالِ کفر کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا، اور دوسرا حسنات والا پلڑا خالی ہوگا، اس لیے کہ انھوں نے اگر کوئی بھلائی کا کام کیا بھی ہے، تو کفر کی وجہ سے وہ بے اثر ہوگا، لہٰذا ان کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

(۲) ان کے کفر یا کفر اور اعمالِ کفر کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا، اور دنیا میں جو بھلے کام کیے ہوں گے، وہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے، لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیکیوں والا پلڑا کفر والے پلڑے کے مقابلے میں ہلکا رہ جائے گا، اور ان کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ ہاں! اچھے کاموں کی وجہ سے اُن کفار کی بہ نسبت انھیں کم عذاب ہوگا، جنھوں نے دنیا میں اچھے کام نہیں کیے ہوں گے۔ یہاں یہ ملحوظ رہے، کہ ﴿فلا یخفف عنهم العذاب﴾ (البقرۃ:۸۶) وغیرہ آیات میں جس عذاب کی عدمِ تخفیف کا ذکر ہے، وہ بعد تجویز ہے، یعنی فیصلہ کے بعد پھر عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔

''شرح عقائد السبکی'' میں ہے، کہ امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، کہ کیا کافر کے لیے میزان قائم کی جائے گی؟ وہ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری مرتبہ دریافت کرنے پر جواب دیا، کہ کافر کے لیے میزان تمییز قائم کی جائے گی، اگرچہ ان کے حسنات و سیئات کے پلڑے مُساوی نہ ہوں گے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اس سے میں نے سمجھا، کہ کافر کے اعمال اگرچہ بے وزن ہیں، مگر جس کی سیئات زیادہ ہوں، اور جس کی کم ہوں، ان میں تمییز کی جائے گی۔ گویا اسی اعتبار سے ان کے عذاب میں کمی بیشی ہوگی۔ بندہ کہتا ہے، کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ''فتاویٰ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایمان کا وزن ہوگا؟

ایمان کا وزن ہوگا یا نہیں؟ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحاوی

للفتاویٰ“ کی جلد دوم میں قدرے تفصیل کے ساتھ منظوم انداز میں یہ سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے، کہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ”نوادر الاصول“ میں تصریح کی ہے، اور انھیں سے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التذکرۃ“ میں نقل کیا ہے، کہ وزن اعمال کے ساتھ خاص ہے، ایمان کا وزن نہیں ہوگا، کیوں کہ وزن کے لیے اس کا مقابل ضروری ہے، اور ایمان کا مقابل کفر ہے، اور ایمان کفر کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوسکتا۔ یعنی میزان کے پلڑے میں ایک چیز رکھی جائے، تو دوسرے پلڑے میں اس کی ضد رکھی جاتی ہے، جیسے حسنات ایک پلڑے میں، تو دوسرے پلڑے میں سیئات۔ یہ تو ہوسکتا ہے، کیوں کہ بندۂ مؤمن کبھی دونوں چیزوں کو انجام دیتا ہے، لیکن یہ محال ہے کہ کوئی آدمی خاتمہ کے وقت کفر بھی رکھتا ہو اور ایمان بھی، کہ ایک پلڑے میں ایمان اور دوسرے پلڑے میں کفر کو رکھا جائے۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”بحر الکلام“ میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔

بعض علماء ایمان کے وزن کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ”حدیث البِطاقَة“ ہے، جس میں ایک آدمی کے ننانوے دفتر کے مقابلے میں اس پرچہ کا وزن دار ہونا بیان کیا گیا ہے، جس میں ”اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله“ لکھا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ایمان کا وزن ہوگا۔ اس اعتبار سے ہر مؤمن کی میزان ثقیل ہوگی۔ یہ حضرات ﴿فمن ثقلت موازينه فاولئك هم المفلحون﴾ (الاعراف: ۸، المؤمنون: ۱۰۲) جیسی نصوص میں تاویل کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ ﴿هم المفلحون﴾ کے معنی ہیں: الناجونَ مِن الخلود. ”ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے سے نجات پانے والے۔“ ﴿فی عيشة راضية﴾ (القارعة: ۷) کا مطلب ہے: یوماً مّا. ”کسی نہ کسی دن وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے۔“ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل میں نظر قائم کی ہے، کہ یہ بات خارج سے ایسی دلیل کی محتاج ہے، جس میں اس کی صراحت ہو۔ آیات واحادیث کی نصوص کا ظاہر تو اسی پر دلالت کرتا ہے، کہ جس کی میزان ثقیل ہوگی، وہ مطلقاً جہنم سے بچ جائے گا، اور جنت کا سزاوار ہوگا۔

”حديث البطاقة“ کے متعلق حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اس میں جس کلمہ کے وزن کا ذکر ہے، وہ کلمہ بعد الایمان ہے، جو مؤمن کی زندگی میں کسی وقت غایتِ اخلاص سے نکل گیا ہوگا۔

بعض علماء جو ایمان کے وزن کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں، کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا۔

اوّل ایمان وکفر کا وزن ہوگا۔اس وزن میں ایک پلڑا خالی رہے گا،اور دوسرے پلڑے میں اگر وہ مؤمن ہے،تو ایمان اور اگر وہ کافر ہے،تو کفر رکھا جائے گا،گویا دوسرے پلڑے میں اس کی ضد رکھنا ضروری نہیں،کہ محال لازم آئے،بہر حال،دوسرا وزن صرف مؤمنین کے نیک و بد اعمال کا ہوگا،ایک پلڑے میں حسنات اور دوسرے پلڑے میں سیئات کو رکھ کر تولا جائے گا،اور اسی کے مطابق ان کو جزا وسزا ملے گی۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

جنات کے اعمال تولے جائیں گے؟

وأن اعمال بنی آدم... یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بنوآدم کا ذکر کیا ہے،کہ ان کے اعمال واقوال کا وزن کیا جائے گا،تو کیا بنوالجانّ یعنی جنات کے اعمال واقوال کا وزن نہیں ہوگا؟ کیوں نہیں؟ جنات کے اعمال واقوال کا بھی وزن ہوگا۔جیسے بنوآدم مکلّف ہیں،ویسے جمہور کے نزدیک بنوالجانّ بھی مکلّف ہیں۔عام طور پر نصوص میں خطاب تغلیباً بنوآدم کو ہوتا ہے،جنات طبعاً اس میں داخل ہوتے ہیں۔جیسے مذکر ومؤنث میں عام طور پر تغلیباً مذکر کو خطاب ہوتا ہے،مؤنث تبعاً اس میں داخل ہوتی ہے۔امام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں اسی اسلوب کو اختیار فرمایا ہے۔

پھر جنات میں جو مطیعین ہیں،وہ جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ یہ ایک مستقل بحث ہے، جو جلدِ اوّل میں "بَدءِ الخَلق" کے "باب ذکر الجن وثوابھم وعقابھم" میں پڑھ لی ہوگی۔

قیامت کے دن وزن ہونے والی چیز

وأن اعمال بنی آدم وقولَھم یُوزَن. "بنوآدم کے اعمال واقوال وزن کیے جائیں گے۔" قیامت کے دن کیا چیز وزن کی جائے گی؟اس میں تین اقوال ہیں:

(۱)　امام بغوی اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے،کہ اصحابِ اعمال تولے جائیں گے۔اس کے قائل کون ہیں؟ صراحت کے ساتھ اس کی دریافت مشکل ہے۔ہاں!ایک اثر امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "مصنَّف" میں اور امام ابونُعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیۃ الأولیاء" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: زِنوا انفسَکم قبلَ اَنْ تُوزَنُوا وحاسبُوھا قبلَ أنْ تُحاسَبُوا. "تم اپنے نفسوں کو وزن کرو قبل

اس کے، کہ تم کو وزن کیا جائے۔ اور اپنا حساب لو قبل اس کے، کہ تمہارا حساب لیا جائے۔'' ممکن ہے، اس سے کسی نے یہ اخذ کرلیا ہو، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خود صاحب عمل انسان تولا جائے گا۔ اگر یہی بات ہے، تو یہ اثر اِس باب میں صراحت کا درجہ نہیں رکھتا، کیوں کہ وزنِ نفس سے مراد وہی ہے، جو اگلے الفاظ میں ''حاسِبوھا قبلَ ان تُحاسَبوا'' سے ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی آدمی جو بات کہے، تول کر کہے، جو کام کرے، سوچ کر کرے، کہ قیامت کے دن مجھے اس کا حساب دینا ہے، جواب دینا ہے۔

باقی رہے دو قول، وہی معروف ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے، کہ صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ اور دوسرا قول یہ ہے، کہ خود اعمال تولے جائیں گے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ اول کو اولاً ذکر کیا ہے، اور قولِ ثانی کو بر سبیل احتمال ذکر کیا ہے، اور کسی کو ترجیح نہیں دی ہے، لیکن دوسرے حضرات کسی نہ کسی کو ترجیح دیتے ہیں، چناں چہ:

(۲) ابوبکر بن فُورَک، امام الحرمین، صاحب المُفہم ابوالعباس القرطبی، صاحب التذکرہ والجامع الاحکام القرآن ابوعبداللہ القرطبی، ابوالحسن مَنُوفی رحمہم اللہ وغیرہ نے اس قول کو ترجیح دی ہے، صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، جیسا کہ تفسیر قرطبی وغیرہ میں ہے۔ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے عامۃ المفسرین سے اور علاّمہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بنیاد رکھتے ہوئے جمہور سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن عبدالبر مالکی اور ابوعبداللہ القرطبی رحمہما اللہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) امام احمد بن حنبل، علی ابن المدینی، ابوزُرعہ، ابوحاتم رازی، ابومحمد بن حزم ظاہری، ابن ابی زید المعروف بمالک الصغیر، ابواسحٰق زَجّاج وغیرہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، کہ اعمال تولے جائیں گے۔ ''الفقہ الأکبر'' میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔ یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، اسی لیے فرمایا: وأنَّ اعمال بنی آدم وقولھم یوزن. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، جیسا کہ ''تفسیر کبیر'' للرازی اور ''تفسیر قرطبی'' وغیرہ میں ہے۔

پہلے قول کے دلائل

پہلے قول یعنی اصحابِ اعمال تولے جانے کی دو دلیلیں ہیں:

(۱) وہ روایت جو "صحیح بخاری"، "کتاب التفسیر" میں گذرچکی ہے: عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ أنه قال: انه ليأتي الرجلُ العظيمُ السمينُ يومَ القيامةِ لايزِنُ عندَ الله جناحَ بَعوضةٍ. "قیامت کے دن ایک بہت بڑا موٹا انسان آئے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں مچھر کے پَر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا۔"

(۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مُسنَد" میں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت نقل کی ہے، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیلو کے درخت پر چڑھ کر مسواک توڑنے کے لیے فرمایا، ان کی پنڈلیاں باریک اور پتلی تھیں، تو ہوا ان کو اِدھر اُدھر جھکانے لگی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے ہنسنے کا سبب پوچھا، عرض کیا: یا نبی اللہ! ان کی پنڈلیوں کے پتلے ہونے کی وجہ سے ہم ہنس رہے ہیں۔ "مسند احمد" کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: والذي نفسي بيده، لهما أثقل في الميزان مِن أُحُد. اور "مسند احمد" کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: لرجل عبد الله أثقل في الميزان يوم القيامة من احد، "الأدب المفرد" کی حضرت علیؓ کی روایت میں "يوم القيامة" کے الفاظ نہیں ہیں۔ "قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں یا عبداللہ کا پاؤں قیامت کے دن میزان میں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوگا۔"

دوسرے قول کی دلیل

دوسرے قول یعنی صحائف اعمال تولے جانے کی دلیل "حديث البطاقة" ہے، جس میں یہ مذکور ہے، کہ ایک آدمی کے سامنے ننانوے دفتر پھیلا دیے جائیں گے، ہر دفتر تاحدِّ نظر پھیلا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے دریافت کرنے پر وہ کہے گا، کہ اس کو نہ ان میں سے کسی بات کا انکار ہے، نہ ان میں اعمال لکھنے والے فرشتوں نے کوئی ظلم کیا ہے، اور نہ ہی ان گناہوں کے ارتکاب میں اس کی کوئی عذرداری ہے، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا، اس پر "اشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا عبده ورسوله" لکھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جہاں وزن ہو رہا ہے، وہاں جا۔ وہ کہے گا، کہ اے پروردگار! اس پرچہ کی ان دفاتر کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: آج تجھ پر ظلم

نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فتُوضع السِجلّاتُ فی كِفَّةٍ والبِطاقةُ فی كِفّةٍ، فطاشتِ السجلّاتُ وثَقُلَتِ البطاقةُ، فَلا يَثْقُلُ مع اسمِ اللّٰهِ شیءٌ. سارے دفاتر ایک پلڑے میں اور پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا، سارے دفاتر ہلکے اور پرچہ وزن دار ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہوسکتی۔‘‘

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے، کہ اس کا مطلب تو یہ نکلا، کہ کوئی بھی مؤمن جہنم میں نہیں جائے گا، کیوں کہ ہرایک کے پاس یہ کلمہ ہے۔ اس اشکال کے پانچ جوابات ہیں:

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں، کہ اس سے مراد وہ کلمہ ہے، جو انسان بعض وقت مرتے ہوئے ایمان لانے کے لیے پڑھتا ہے، تو یہ کلمہ کلمۂ ایمانیہ ہے، اور ایمان ہادمِ سیئات اور مُکفّرِ ذنوب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفرلهم ما قد سلف﴾ (الأنفال: ۳۸) ’’آپ کافروں سے کہہ دیجیے، کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے، تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہوچکے ہیں، سب معاف کردیے جائیں گے۔‘‘ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: الاسلامُ يَهدِمُ ما كان قبلَه. ’’اسلام سابقہ گناہوں کو مٹادیتا ہے۔‘‘

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ ”الكوكب الدری“ میں فرماتے ہیں، کہ اس پر گناہوں کے دفاتر پیش کیا جانا اس توجیہ کی تردید کرتا ہے، کیوں کہ موت کے وقت کلمۂ ایمانیہ نے اس کے کفر کے زمانے کے گناہوں کو محو کردیا تھا۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں، کہ اس سے مراد وہ آخری کلمہ ہے، جو مؤمن کے منھ سے نکلے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ اگر اس توجیہ کو درست مان لیں، تو اس کے پاس اس کلمہ کے علاوہ دوسرا وہ کلمہ بھی ہوگا، جس کے ساتھ وہ ایمان لایا تھا، حالاں کہ ”حديث البطاقة“ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کلمہ کے علاوہ اور کوئی حسنہ اس کے پاس تھا ہی نہیں، لہٰذا یہ توجیہ بھی چل نہیں سکتی۔

(۳) حکیم ترمذی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے، کہ اس سے مراد وہ کلمہ ہے، جو انسان کی زندگی میں کسی وقت غایت اخلاص سے نکل جائے۔

مبرّد نے ”الكامل“ میں لکھا ہے، کہ ایک مرتبہ کسی کے جنازہ میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور شاعر فرزدق دونوں موجود تھے، فرزدق نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ’’ابوسعید! معلوم ہے، لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ لوگ کہہ رہے ہیں، کہ آج کے جنازہ میں

بہترین اور بدترین دونوں جمع ہو گئے ہیں۔'' بہترین سے حضرت حسن اور بدترین سے فرزدق کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ''نہ میں بہترین ہوں، نہ تم بدترین ہو، لیکن یہ بتاؤ، کہ تم نے اس دن کے لیے کیا تیاری کی ہے، اور تمہارے پاس اس دن کے لیے کیا زادِ سفر ہے؟'' فرزدق نے برجستہ کہا: "شهادة ان لا اله الا الله وأن محمدًا رسول الله." انتقال کے بعد فرزدق کو خواب میں کسی نے دیکھا، پوچھا، کیا بنا؟ کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔'' دریافت کیا: کس بنا پر؟ کہا: ''اس کلمۂ طیبہ کی بنیاد پر، جس کا میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گفتگو میں حوالہ دیا تھا۔''

انسان کو چاہیے، کلمہ طیبہ کا وِرد رکھے، عجب نہیں، کہ کسی وقت دل کی گہرائیوں سے انتہائی اخلاص کے ساتھ یہ کلمہ زبان سے نکل پڑے، اور بگڑی بنادے۔

ان تینوں توجیہات پر اشکال یہ ہے، کہ آخری وقت نزع سے پہلے کافر کا کلمہ ایمانیہ پڑھنا اور ایمان لانا یا آخری وقت مؤمن کا کلمہ پڑھنا یا زندگی بھر میں کبھی غایت اخلاص سے پڑھ لینا کسی انسان کے ساتھ خاص نہیں، یہ حالت تو بہت سے لوگوں کو پیش آتی ہے اور آسکتی ہے، پھر حدیث پاک میں ایک رَجُل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے، چناں چہ حدیث پاک میں ہے: ان اللّٰہ تعالٰی سَیُخَلِّصُ رَجُلاً مِّن اُمّتی علٰی رُؤوْسِ الخَلائقِ یومَ القیامۃِ....؟ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب کے سامنے میری امت میں سے ایک انسان کو ساری جماعت سے الگ کریں گے...''

اس کا جواب یہ ہے، کہ اس طرح کی احادیث سے مراد فردِ واحد نہیں ہوتا؛ بلکہ اس وصف کی حامل جماعت مراد ہوتی ہے۔

(۴) بعض علماء دو مرتبہ وزن کے قائل ہیں، جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جاچکا۔ پہلی مرتبہ ایمان کا وزن بمقابلہ کفر، دوسری مرتبہ اعمالِ صالحہ وسیئہ کا وزن۔ تو ''حدیث بطاقۃ'' میں وزنِ اول مراد ہے۔ وفیہ مالا یخفٰی.

(۵) حضرت گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ ظاہر یہ ہے کہ ''حدیث بطاقۃ'' میں جس آدمی کا ذکر ہے، وہ ایک ایسا مسلمان ہوگا، جس نے عمر بھر میں کبھی کوئی حسنہ نہیں کیا ہوگا، اور بلا توبہ کے مرگیا ہوگا۔ گویا یہ ایک استثنائی صورت ہے، جو عام ضابطہ سے الگ مخصوص فضل وکرم کا مظہر ہے۔

تنبیہ

بعض علماء نے صحائف اعمال تولے جانے پر بطور دلیل وہ روایت ذکر کی ہے، جس میں یہ

مذکور ہے، کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ایک آدمی کو ملائکہ جہنم کی طرف لے جارہے ہوں گے، حضرت آدم علیہ السلام کی نظر پڑے گی، تو آپ رسول اللہ ﷺ کو اس طرف متوجہ کریں گے۔ آخرش رسول اللہ ﷺ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو رکنے کے لیے فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ انگلی کے پورے کے بقدر ایک پرچہ نکال کر بسم اللہ بول کر اُس آدمی کے لیے قائم میزان کے دائیں پلڑے میں ڈالیں گے، تو نیکیوں والا پلڑا وزنی ہوجائے گا۔ اور اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اس آدمی کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ اپنا تعارف کرائیں گے، اور فرمائیں گے، کہ یہ وہ درود شریف تھے، جو تو مجھے بھیجتا تھا۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے ”كتاب حسن الظنّ بالله“ میں اور واحدی نے ”البسيط“ میں نقل کیا ہے۔ لیکن علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ: سَندُهٗ هالك.

تیسرے قول کے دلائل

تیسرے قول یعنی خود اعمال تولے جانے کے کئی دلائل ہیں، جن میں سے تین دلیلیں یہ ہیں:

(۱) ”صحيح بخاری“ کی حدیث الباب: ”كلمتان حبيبتان الى الرحمن، خفيفتان على اللسان، ثقيلتان فى الميزان: سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم. اس میں تصریح ہے، کہ یہ دو کلمے میزان میں بہت ثقیل ہوں گے، معلوم ہوا، کہ وہ تولے جائیں گے۔

(۲) عن ابی الدرداء رضی الله عنه عن النبی ﷺ أنه قال: ما من شيءٍ اثقلُ فی الميزان مِن حُسنِ الخُلُق. رواه الترمذی وابوداود واللفظ له صحّحه ابن حبّان. ”میزان میں حُسنِ خُلق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں ہوگا۔“

(۳) عن جابر رضی الله عنه أنه قال: قال رسول الله ﷺ: تُوضعُ الموازينُ يوم القيامة، فتُوزن الحسناتُ والسيئات. رواه خيثمة فی فوائده. ”قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی، پھر حسنات وسیئات کا وزن کیا جائے گا۔“

❁ ❁ ❁

ماہ رجب اور رسمِ کونڈا

از: مولوی رئیس احمد عرشی کلیری

رجب ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے مگر بدقسمتی سے بعض لوگوں نے اس کی حرمت وفضیلت کو نظر انداز کرکے اس کے ساتھ کچھ ایسی رسمیں وابستہ کرلی ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، انھیں رسموں میں سے ایک رسم ''رسم کونڈا'' بھی ہے جو اس مہینہ کی ۲۲/تاریخ کو منائی جاتی ہے۔

اس رسم کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی ابتدا، کب اور کیوں ہوئی؟ یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس کے پیچھے معاویہ دشمنی کی ایک پراسرار تاریخ ہے، اس کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔

جاننا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد فتنوں کا آغاز ہوگیا تھا، ایک طرف مدعیان نبوت کھڑے ہوگئے، دوسری جانب مانعین زکوٰۃ کا فتنہ سامنے آیا۔ تیسری طرف منافقین نے اپنے بال وپر پھیلانے شروع کردیئے اور چوتھی سمت یہود ونصاریٰ نے اپنی اسلام مخالف سرگرمیاں تیز کردیں غرض اسلام چاروں طرف سے فتنوں کے گھیرے میں آگیا، اور دشمنانِ اسلام طرح طرح سے اسلام کو مٹانے کے درپے ہوگئے۔

اسی دوران شیعہ فرقہ وجود میں آیا، جس کا موجد اور بانی عبداللہ ابن سبا یمنی تھا، جو یہودی مذہب کا پیروکار اور اسلام کا سخت ترین دشمن تھا اور اسلام کے معماروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سخت عناد رکھتا تھا، اس نے نہایت پرفریب طریقے سے حب علی کے پردے میں بغض صحابہ کو بنیاد بناکر اس فرقے کی تاسیس اور منصوبہ سازی شروع کی۔

اس فرقے کے ظہور کی خبر رسول اللہ ﷺ پہلے ہی دے چکے تھے اور امت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

سیاتی قومٌ لیسونهم ویستنقصونهم فلا تجلسوهم ولا تشاربوهم ولا تواکلوهم ولا تناکحوهم. (مظاہر حق شرح اُردو مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو میرے صحابہ کو برا کہیں گے اور ان میں نقص نکالیں گے پس تم ان لوگوں کے ساتھ، میل ملاپ اختیار کرنا، نہ ان کے ساتھ کھانا پینا، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا۔ (شرح مشکوٰۃ ص ۲۸۳ جلد ۸ علامہ قطب الدین دہلوی)

اور دارقطنی میں خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

عن علي عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال سیاتی من بعدی قوم یقال لهم الرفضة فان ادرکتهم فاقتلهم فانهم مشرکون فقال قلت یا رسول اللّٰه ما العلامة فیهم قال یفرطونك بما لیس فیك ویطعنونك علی السلف. (دارقطنی)

عنقریب میرے بعد ایک گروہ پیدا ہوگا جس کو رافضی کہا جائے گا، پس اگر تم ان کو پاؤ تو ان کو قتل کرنا، کیوں کہ وہ مشرک ہوں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان کی پہچان کیا ہے، آپؐ نے فرمایا وہ تمہیں ان چیزوں کے ذریعہ نہایت اونچا دکھائیں گے جو تم میں نہیں ہوں گی۔ اور صحابہ پر لعن طعن کریں گے۔ (مظاہر حق)

فرمان نبویؐ کے مطابق یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں ظاہر ہوئے اور منظّم سازشوں کے تحت خفیہ طریقے سے ترقی کرتے رہے اور رفتہ رفتہ اپنی جمعیت بڑھاتے رہے، حتیٰ کہ بہت جلد ایک تحریک کی شکل اختیار کرکے ملت اسلامیہ میں رخنہ اندازیاں شروع کردیں۔ خلیفۂ وقت کو ان کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو ان کی سرزنش کی اور ان کے سرغنہ ابن سبا کو مدینہ سے نکلوا دیا، مدینہ سے نا اُمید ہوکر اس نے کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ کا رخ کیا اور دارالحکومت سے دور دراز جگہوں پر پہنچ کر اپنی سازشیں تیز کیں اور حکومت واہل حکومت کے خلاف بغاوت جاری رکھی۔ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنیؓ پر طرح طرح کے الزامات لگائے ان کو معاذ اللہ غاصب وخائن بتلایا اور ان کے خلاف انتہائی پرفریب، منظّم اور وسیع پروپیگنڈہ کرکے آپؓ کو شہید کردیا۔

حضرت عثمان کے بعد تاجِ خلافت حضرت علیؓ کے سر پر رکھا گیا، مگر ان ہی شیعانِ علی کہلانے والے جھوٹے محبوں نے جنھیں نہ حضرت علیؓ سے کوئی محبت تھی اور نہ ہی اسلام سے کوئی ہمدردی بلکہ ان کا مقصد خلافت اسلامیہ کی بیخ کنی کرنا تھا، انھوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت بھی بدستور جاری رکھی اور شکلیں بدل بدل کر سازشوں کے جال بنتے رہے، بالآخر حضرت علیؓ کے ایک

فیصلے سے اختلاف کرکے ان کو بھی شہید کردیا۔

پھر چھ مہینے تک وہ حضرت حسن کے لیے دردِ سر بنے رہے اور ان کے ساتھ بھی یہی ناروا سلوک روا رکھا، آپؓ کے پہلو میں خنجر مارا، آپ کا اسباب لوٹا، آپ کے خیمہ میں آگ لگائی اور آپؓ کے قتل تک کی مذموم کوششیں کی جس کی شہادت، خود شیعہ کتابوں میں بھی موجود ہے۔ احتجاج طبرسی میں زید ابن وہب جہنی کی روایت ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ نے قسم کھا کر فرمایا:

فقال اری واللہ معاویۃ خیرلی من ھولاء یزعمون انھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی واللہ لان اخذ من معاویۃ عھدا احقن بہ دمی وآمن بہ فی اھلی خیر من ان یقتلونی. (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص ۱۴۸)

ترجمہ: خدا کی قسم میں معاویہ کو اپنے لیے ان لوگوں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں، انھوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرا اسباب لوٹ لیا، اور میرا مال چھین لیا، اللہ کی قسم میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کرلوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہوجائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کردیں۔

اور ایک شیعہ روایت کے الفاظ ہیں:

''واُورا مضطر کردند تا آنکہ با معاویہ صلح کرد''

ترجمہ: اور ان کو یہاں تک پریشان اور مجبور کیا کہ انھوں نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔

(جلاء العیون علامہ باقر مجلسی)

الغرض شیعوں کی زیادتیوں سے پریشان ہوکر آپؓ خلافت سے دل برداشتہ ہوگئے اور باگ خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کردی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی دانشمند مدبر، معاملہ فہم منتظم، رعیت شناس انسان تھے اور زمانۂ نبوی سے ہی اپنی انتظامی صلاحیت، مدبرانہ لیاقت اور سیاسی بصیرت میں ممتاز تھے ان کی قائدانہ صلاحیت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے انھیں کسرائے عرب کا لقب دیا تھا۔ اور زمانۂ فاروقی سے ہی شام کے عہدۂ گورنری پر فائز تھے اور بیس سال سے وہاں کی کامیاب قیادت کرتے چلے آرہے تھے۔

حضرت معاویہ جس وقت مسند نشین ہوئے اس وقت ملک کے سیاسی حالات بے حد ناسازگار تھے، طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے تھے، فتنۂ شیعیت کی جڑیں کافی مضبوط ہوگئی تھیں اور وہ طریقے بدل بدل کر اسلام میں رخنہ اندازیاں کررہے تھے، اگرچہ وہ خود داخلی انتشار کا شکار

ہوکر کئی حصوں میں تقسیم ہوچکے تھے، مگر سب کا مطمحِ نظر اور نصب العین ایک تھا۔ اور سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسلام دشمنی میں سرگرم تھے۔ ایسے حالات میں نئی حکومت کے لیے ضروری تھا کہ وہ سب سے پہلے بغاوت کے خاتمہ کے لیے کوئی مثبت اور ٹھوس قدم اٹھائے اور مفسدوں کی بیخ کنی میں سخت موقف اختیار کرے۔

حضرت معاویہ جیسے ہوش مند انسان سے کیسے ممکن تھا کہ وہ اس اقتضاءِ حکومت کو نظر انداز کردیتے اور فتنہ کے استیصال میں غفلت برتتے، چنانچہ برسرِ اقتدار آتے ہی انھوں نے فتنہ وبغاوت کے سدباب کو ضروری سمجھا اور شرپسند عناصر کی سرکوبی کی ملک گیر مہم چلائی اور باغیوں (شیعوں) کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرنا اور سزائیں دینا شروع کردیا جس سے بہت سے شیعہ قتل ہوکر اپنے کیفرکردار کو پہنچے اور کچھ لوگوں نے سزا کے خوف یا موت کے ڈر سے روپوشی اختیار کی۔ اور کتمان مذہب (تقیہ) کرکے جان بچانے میں عافیت سمجھی۔

ایک شیعہ مؤرخ اس وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''شیعانِ علی کے مال ومتاع ضبط کرلیے گئے، وہ قتل کیے گئے اور اس قدر ظلم ان پر کیے گئے کہ کوئی اپنے کو شیعہ نہ کہہ سکتا تھا'' (تاریخ اسلام ص ۳۳، ج:۱، از ذاکر حسین جعفری شیعہ)

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ بہت سے شیعہ قتل ہوکر ٹھکانے لگ گئے اور جو کچھ باقی رہے وہ بھی اس قدر دہشت زدہ اور خائف تھے کہ خود شیعہ کہلوانا چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے انجام بد کے ڈر سے خانہ نشین ہوگئے۔

یہ لوگ بظاہر خاموش ہوگئے، مگر درحقیقت ان کے سینوں میں بغض معاویہ کی آگ بدستور بھڑک رہی تھی۔ اور وہ ان کے خلاف سانپ کی طرح پیچ وبل کھارہے تھے اور ان کی حکومت سے گلوخلاصی اور چھٹکارے کے شدت سے منتظر تھے۔

چنانچہ بیس سال انتہائی کامیاب حکومت کرنے کے بعد ۲۲/رجب ۶۰ھ کو ملت اسلامیہ کا یہ عظیم مدبر دنیا سے رخصت ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حاسدین معاویہ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ ان کا جانی دشمن دنیا میں نہیں رہا، اس لیے انھوں نے وفات معاویہ کی خبر سن کر خوب خوشیاں منائیں اور اظہار مسرت کے طور پر میٹھی ٹکیاں (کونڈوں کی پوریاں) بنائیں اور ایک دوسرے کو کھلا کر اپنے جذبۂ عناد کو تسکین دی، اور یہ ساری کاروائی سینوں سے چھپ کر اور پوشیدہ طریقہ سے انجام دی گئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کارروائی مخفی کیوں رکھی گئی اور انھوں نے وفات معاویہ پر اپنی خوشی کا اظہار کھلم کھلا کیوں نہیں کیا؟ مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی اس کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''کیوں کہ اس وقت اہل سنت و جماعت کا غلبہ تھا اور وہ صحابیٔ رسول کی توہین اور ان کی وفات پر اظہارمسرت کو برداشت نہیں کرسکتے تھے اس لیے رافضیوں نے چھپ چھپا کر اپنے اپنے گھروں میں ہی ٹکیاں بنالیں اور انہیں آپس میں تقسیم کرکے خفیہ طور پر اظہار مسرت کرکے دشمنیٔ اصحاب کا ثبوت فراہم کیا، بعد میں جب اس کا چرچا شروع ہوا تو نہایت ہی شاطرانہ انداز میں حضرت امام جعفر صادق کی طرف منسوب کردیا۔ (تعارف مذہب شیعہ ص ۱۵۸)

یہی وجہ ہے کہ اس رسم میں آج تک اس بات کی پابندی ہے کہ کونڈوں کی ٹکیاں کسی خفیہ جگہ پر پکائی جاتی ہیں۔ پھر بڑے اہتمام سے انھیں ڈھک کر رکھا جاتا ہے اور فاتحہ بھی کسی اندھیری جگہ پر دلائی جاتی ہے۔ اور پھر پردے کے ساتھ ہی انھیں کھایا کھلایا جاتا ہے۔

لیکن آگے چل کر جب اس سازش کی خبر سنیوں کو ہوئی اور اس رازِ سربستہ سے پردہ اٹھا تو شیعوں نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اس کا رخ امام جعفر صادق کی فاتحہ کی جانب موڑ دیا۔

یہ ہے اس رسم کی اصل اور حقیقت۔ جس میں نادانستہ طور پر بعض ناخواندہ اہل سنت بھی شریک ہیں۔ اور اس رسم کو امرِ دین اور کارِثواب سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ یہ ''حب علی کے پردے میں بغض معاویہ'' کا مصداق ہے۔

کیا کبھی سیاست اور تعلیم میں بھی ”عام آدمی“ کی ”جے“ ہوگی؟

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

ہندوستان نے ماہ مئی جون ۲۰۰۹ء میں دوطرح کے نتائج سلسلہ وار دیکھے۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کے انتخابات کے نتائج اور مختلف درجات اور پیشہ وارانہ کورسیز .I.A.S، .I.F.S، .I.P.S کے علاوہ دسویں اور بارہویں کے مختلف مرکزی بورڈوں، IIT اور انجینئرنگ کے مقابلہ جاتی امتحانات کے نتائج، نیز میڈیکل کے نتائج آرہے ہیں۔ سیاسی میدان اور تعلیمی میدان دونوں کے نتائج پر غور کریں تو نہایت تشویشناک صورت حال نظر آتی ہے۔ دونوں نتائج پر تھوڑی سی گہری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ہی میدانوں میں سماج کے اعلیٰ ذات اور سرمایہ دار طبقہ نے ہی ہاتھ مارا ہے۔ الیکشن میں ۴۰-۳۵ ارب روپیہ امیدواروں اور سرکار کے ذریعہ خرچ کرنے کی بات سامنے آرہی ہے۔ جیت کرآنے والوں میں ہر تیسرا MP کروڑ پتی ہے اور ارب پتیوں کی تعداد بھی ہے۔ اُدھر تعلیمی میدان کا رخ کریں تو نتائج کے آتے ہی ملک کے تمام بڑے چھوٹے اخباروں میں اگلے دن سے ہی مکمل صفحات کے اشتہارات بڑی بڑی کوچنگ کلاسیز کے معہ منتخب امیدواروں کے آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آج انجینئرنگ اور IIT کے مقابلہ کے نتائج سب سے زیادہ فیشن اور مارکیٹ میں ہیں۔ اخبارات میں ایک کوچنگ انسٹی ٹیوٹ نے بتایا کہ IIT کے امتحان میں اس کے یہاں سے لگ بھگ ۲۵۰۰ طلباء منتخب ہوئے۔ صرف کوٹہ جوکہ شمال مغربی بھارت میں کوچنگ کا بڑا مرکز ہے وہاں سے مختلف کوچنگ کلاسیز کے ۳۵۰۰ سے زائد طلباء اِن اشتہارات کے مطابق مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ باقی ۷۵۰۰ سیٹوں میں پورا ہندوستان کا حصہ ہوگا۔ کم وبیش یہی صورت حال .U.P.S.c کے امتحانات میں بھی رہی۔ الہ آباد جوکہ کوچنگ کا گڑھ ہے ۷۵۰ میں سے لگ بھگ ۱۵۰ امیدوار وہیں سے منتخب ہوگئے۔ پھر پورا

ہندوستان باقی ماندہ کے لیے لڑے گا۔ ہمارا پریس منظّم طریقہ سے ایک دو بہت غریب منتخب طلباء کا فوٹو چھاپ کر تاثر دینا چاہتا ہے کہ سب کچھ بہت شفاف اور صاف ہے نیز صرف قابلیت کی بنیاد پر ہی امیدوار منتخب ہورہے ہیں۔ جبکہ پردہ کے پیچھے کی کہانی بالکل مختلف ہے۔ دراصل چاہے وہ سیاسی مقابلہ (انتخابات) ہوں یا تعلیمی مقابلہ سب میں قابلیت کے ساتھ سہولت (جو وسائل سے حاصل کی جاتی ہے) کا رول فیصلہ کن ہوتا جارہا ہے۔ جن لوگوں کے پاس سرمایہ ہے وہ اپنے بچوں کو اچھے اسکولوں میں داخل کراتے ہیں شروع سے ہی ٹیوشن و کوچنگ کا اہتمام کراتے ہیں یہ سہولت ملک کی بڑی اکثریت کے طلباء کو حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ وہ کتنی بھی محنت کرلیں مگر حساب، فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، انٹرویو وغیرہ میں خصوصی تربیت نہ ہونے سے کبھی بھی I.Q کے لحاظ سے اپنے سے برابر یہاں تک کہ کمتر بچوں کے مقابلہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر دونوں طرح کے طلباء ۸۰٪ نمبر کی سطح تک صرف اپنی محنت سے نمبر لاسکتے ہیں مگر فیصلہ کن مرحلہ تو ۹۰٪ Super کے لیے ہوتا ہے وہاں وہ کامیاب ہوتے ہیں جو صرف مضامین ہی تیار نہیں کرتے بلکہ ان کو کوچنگ کلاسیز میں وہ خاص گُر بتائے جاتے ہیں جن کی بدولت وہ پرچہ بہتر طور پر حل کرپاتے ہیں جو کہ بغیر کوچنگ والا بچہ کسی صورت میں نہیں کرسکتا۔

بڑے شہروں اور قصبوں کو چھوڑ کر تعلیمی حالات سرکاری یا عموماً Aided اسکولوں کی کیا ہیں وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اساتذہ کی مجرمانہ لاپرواہی، ٹیوشن اور والدین کی غفلت یا مجبوری کا ایک ایسا خطرناک ملغوبہ ہے جو ہندوستان کی عظیم اکثریت کی نئی نسل کو کسی بھی بڑے خواب کو دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کوٹہ میں اکثر والدین اپنے بچوں کو درجہ 9th سے ہی بھیج دیتے ہیں وہ چار سال وہاں صرف اور صرف انتہائی ماہر اور پیشہ وارانہ دیانت کے حامل اساتذہ سے تعلیم حاصل کرسکتا ہے۔ اس کا مقابلہ سرکاری اسکولوں یا aided اسکولوں کے ہونہار مگر کم مراعات یافتہ طلباء کیسے کرسکتے ہیں؟ کوٹہ میں ایک بچہ پر سالانہ خرچ فیس اور رہائش کے ساتھ لگ بھگ ایک سوا لاکھ روپیہ آتا ہے۔ جبکہ ہندوستان کی آبادی کا ۱/۳ حصہ ۴۰ روپیہ روزانہ سے کم پر پورا خاندان چلاتا ہے یعنی تقریباً ۱۵۰۰ روپیہ ماہانہ میں پورا خاندان گذارا کرتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سماج کا اصل چہرہ جسے اِکّا دکّا غریب آدمی کی کامیابی کی کہانی کو ہائی لائٹ کرکے دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ غریب آدمی بھی اپنا سب کچھ فروخت کرکے اپنے بیٹے کو کسی کوچنگ کے ہی حوالہ کرتا ہے تب ہی کامیابی اُس کا مقدر بنتی ہے۔ بہار کی رحمانی ۳۰ کے ۳۰ طلباء کی IIT میں کامیابی بھی اس حقیقت کو

معتبر بتاتی ہے کہ صلاحیت کے ساتھ خصوصی تربیت اس سخت مقابلہ کے زمانہ میں فیصلہ کن ہوتی جارہی ہے۔اور یہ بغیر سرمایہ کے ممکن نہیں ہے۔ہمارے حکمراں کہہ سکتے ہیں کہ وہ طرح طرح کے وظائف ہونہار طلباء کے لیے دے رہے ہیں،مگر یہ تمام کسی کورس میں منتخب ہونے کے بعد ہی کام آتی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ منتخب ہونے کے لیے جو خرچ درکار ہے وہ کون دے گا؟ کتنے فی صد ہونہار طلباء کے والدین سالانہ ۶۰-۴۰ ہزار سالانہ کوچنگ کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک جیسی قابلیت کے طلباء صرف دولت کی دستیابی یا عدم دستیابی کی بناء پر الگ الگ انجام سے دوچار ہوں گے۔کیا یہ ہماری فلاحی ریاست کی مکمل ناکامی کی دلیل نہیں ہے؟

ایک دلچسپ تضاد ہمارے سماج کے اعلیٰ ذات اور سرمایہ دار طبقہ کی سوچ کا یہ بھی ہے کہ وہ بیرونی ممالک کی کمپنیوں سے مقابلہ کے لئے ان کے ہندوستان میں داخلہ پر کچھ شرائط لگا کر ’’برابر کے مقابلہ کے میدان‘‘ "Level playing field" کی بات کرتی ہے مگر اپنے یہاں جب کمزور طبقات اور اقلیتوں کے لیے مختلف امتحانات میں ریزرویشن کی بات آتی ہے تو قابلیت اور صلاحیت Merit کی بات کرتی ہے،مگر اعلیٰ تعلیمی پیشہ وارانہ کالجوں،اداروں میں چندہ Donation کے ذریعہ صلاحیت کو ناکارہ بھی بناتی ہے۔ابھی چنئی کے ایک مرکزی وزیر کے میڈیکل کالج میں M.B.B.S. کی نشست کے لیے ۴۰-۲۰ لاکھ روپیہ چندہ کا معاملہ چل رہا ہے اور M.D کے لیے رقم کروڑوں میں پہنچ رہی ہے۔٪۸۰ والا قابلیت کا طالبعلم ڈاکٹر نہیں بن پائے گا مگر٪ ۶۵-۶۰ والا صرف دولت ۴۰-۲۰ لاکھ کے بل بوتے پر ڈاکٹر بن جائے گا۔ہمارے تعلیمی نظام میں سرکاری سرپرستی میں جاری اس دھاندلی پر کسی کو اعتراض نہیں ہے۔اس وقت ’’جوان ہندوستان‘‘ کی اہم ترین ضرورت ہے کہ اس میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کو پروان چڑھا کر انسانی وسائل کو بڑھایا جائے جیسا کہ پروفیسر امرتیا سین اور جیفری ساکھ کہتے آرہے ہیں۔اس کے لیے مقامی سطح سے لے کر دہلی کی سطح تک پلاننگ درکار ہے اور یہ بغیر مکمل سماجی انصاف کے حصول کے ممکن نہیں ہے۔ یہ سرمایہ کی بالادستی،بھائی بھتیجہ دادا کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔

محترم سلمان خورشید نے اپنے ایک بیان میں کسی کمیشن برائے یکساں مواقع equal opportunity commission کا ذکر کیا ہے۔جس کے نام سے تو محسوس ہوتا ہے کہ شاید مواقع کی اس خطرناک نابرابری کو دور کرنے کے لئے کچھ اقدامات کئے جائیں گے۔سماج کے کمزور ترین طبقہ تک اگر ترقی کی بوند کے ذرّات Trickle down offect کی،تھیوری پر ہی

بھروسہ کرکے بیٹھے رہے اور نریگا کی بھیک کے ذریعہ دیہی اور عام آدمی کی امنگوں کو تھپکی دینے کی کوشش ہوتی رہی تو ''معلومات کے دھماکہ'' (Information explosion) کے اس زمانہ میں نئی نسل اس سے مطمئن نہیں ہوگی اور اس کے بے اطمینانی سماج کے مطمئن طبقہ کو بھی غیرمحفوظ بنادے گی۔ ضرورت ہے کہ ایسے اقدامات کئے جائیں کہ غریب ترین ماں باپ بھی قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر اپنی نئی نسل کے لئے خواب دیکھ سکیں۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ گاؤں دیہات کے تعلیمی نظام کو جوابدہ بنانا ہوگا وہاں اساتذہ کی حرام خوری پر نکیل کس کران کی ترقیات کو ان کی کارکردگی سے جوڑنا ہوگا۔ خاص طور پر حساب کے مضمون پر خصوصی توجہ دینے کی ہر ممکن صورت اپنائی جانی چاہئے۔ ''نوادے ودھیالیہ'' کے لئے باصلاحیت طلباء کی سپلائی بڑھانے کے لئے گاؤں میں موجود اسکولوں کو بنیادی ترجیح دینی ہوگی۔ جو طلباء 8th کلاس تک اچھی کارکردگی دکھائیں خصوصاً حساب میں اُن کو خاطر خواہ وظیفہ دیا جائے تو ڈراپ آؤٹ کے مسئلہ سے بڑی حد تک نجات مل سکتی ہے۔ ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سماج کے کمزورترین طبقہ کے پاس اور شہروں میں تو اچھے خاصے خوشحال لوگوں کے پاس یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی مناسب جگہ نہیں ہوتی ہے۔ ایک ایک دو دو کمروں کے مکانوں میں .T.V اور کیسٹ ریکارڈر کے ساتھ کوئی بھی سنجیدہ پڑھائی ممکن نہیں ہے۔ اس کے لئے گاؤں یا محلوں میں موجود سرکاری اسکولوں، پنچایت گھروں کو شام کے وقت ریڈنگ روم (دارالمطالعہ) میں بدل دیا جائے تو پڑھنے کے لئے مناسب ماحول مل سکے گا۔ مشکل مضامین کے لئے اِن مقامات میں خصوصاً انگریزی، حساب اور سائنس یا صرف حساب کے لئے جزوقتی قابل اساتذہ بھرتی کئے جاسکتے ہیں۔ 10th اور 12th کلاس میں ٪۶۰ سے زیادہ نمبر لانے والے دیہی علاقہ کے کمزور طلباء کو معیاری کوچنگ بھیجنے کا انتظام سرکار کو کرنا ہوگا۔ یہ سب سے کمزور کڑی ہے۔ یا اِن علاقوں کے طلباء کو ریزرویشن دیں یا ان کی ایک سال کی کوچنگ اُن کی صلاحیت کی بنیاد پر سرکار خود اپنے خرچہ پر کرائے۔

اقلیتی معاملات میں یہ مسئلہ اور نازک ہوجاتا ہے۔ بھارت سرکار کے اقلیتی بہبود کے تمام ادارہ خصوصاً جہاں سے طلباء کے لئے اسکالرشپ اور قرض جاری ہوتے ہیں وہ اپنے کام میں ہرطرح کا روڑا اٹکانے کے ماہر ہیں۔ وہ اپنی تمام اسکیموں کو چھپا کر رکھنا ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور سرکاری کارروائی کے ہر مرحلہ میں رکاوٹ اور اڑچن کا رویّہ اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے مرکزی وزیر سلمان خورشید صاحب نے سرکاری زبان بولتے ہوئے پھر کہا کہ مسلمانوں کو مذہب

کی بنیاد پر ریزرویشن نہیں مل سکتا اور یہ ان کی ترقی کا ضامن نہیں ہے تو جو وہ اور ان کی سرکار مناسب سمجھتی ہے اس کو ہی عام مستحق عوام تک پہنچانے کا بندوبست فرمادیں۔ اگر ریزرویشن کی بیماری کا علاج نہیں ہے تو خواتین کو ریزرویشن کیوں دیا جارہا ہے؟ سچر کمیٹی کی رپورٹ بتارہی ہے کہ مسلمانوں کی حالت خواتین کی حالت سے بھی خراب ہے۔ خواتین M.P.s کی تعداد اور مسلم M.P.s کی تعداد کا موازنہ کرلیں پتہ لگ جائے گا۔ ۶۰ سالوں سے صرف ہندو دلتوں کو ہی صرف مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن کیوں دیا جارہا ہے؟ مرکزی سرکار کی بعد میٹرک اور بعد بارہویں کی اسکالرشپ کی تقسیم میں فارم کی دستیابی سے لے کر اس کو بھرنے اس میں لگنے والے دستاویزات (آمدنی اور مذہب کے) کی حصولیابی پھر اسکول سے تصدیق اور بینک میں اکاؤنٹ کھولنا کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں وہ اونچے ایوانوں میں بھاشن جھاڑنے والوں کو معلوم نہیں ہیں۔ جن سرکاری محکموں کا تعلق اقلیتوں کی فلاح و بہبود سے ہے ان کی باز پرس کا سخت مرکزی نظم ہونا چاہیے۔ ستمبر جون سے وظیفہ ملنے کا عمل شروع ہوکر نومبر دسمبر تک طلباء تک بمشکل پہنچ پاتا ہے۔ آپ سرکاری عملہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس خرابی کو ہمارے مرکزی وزیر دور کرواسکیں تو شاید ریزرویشن کی خیرات کی ضرورت نہ پڑے اور اکثریت کی ناراضگی کا ڈر بھی موصوف کو نہ رہے۔

وقف بورڈ مسلمانوں کی مدد کا اچھا ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے، مگر وہ بھی سرکاری حلوائی کی دوکان پر دادا کا فاتحہ کی روش کی وجہ سے کرپشن اور لوٹ مار کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ تمام صوبائی سرکاروں اور مرکزی سرکاروں نے مسلمانوں کی اپنی املاک پر اپنی پارٹیوں کے کارکنوں اور لیڈروں کو مسلّط کردیا ہے کہ تم مزاروں، قبرستانوں، مسجدوں، درگاہوں کا مال لوٹو اور ہماری پارٹی کے ہاتھ مضبوط کرو۔ پارٹیاں انہیں ان کی وفاداریوں کے عوض سرکاری محکمہ میں عہدہ دینے کے بجائے مُردوں کی ہڈیوں سے خون نچوڑنے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں اور وقف کرنے والے مرحومین کی مرضی کے برعکس سرکاری اہلکار اور پارٹیوں کے مسٹنڈے گل چھرہ اڑا رہے ہیں۔ جبکہ یہ جائیدادیں اگر ایمانداری کے ساتھ اہل افراد کے حوالہ کی جائیں تو یقیناً مستحق، نادار طلباء کو کسی مدد کی ضرورت نہ پڑے۔ سرکار کو سخت قانون بنا کر اور اس کی باز پرس کرکے ہر سطح کے وقف پر یہ لازم کرنا چاہئے کہ اپنی آمدنی کا کم سے کم ۱/۳ حصہ نادار مستحق طلباء کو دیں گے۔ خصوصاً آٹھویں کلاس میں اچھے نمبر سے پاس ہونے والوں، ۱۰ ویں کلاس میں اور ۱۲ ویں کلاس میں اچھے نمبروں سے پاس ہونے والوں کو صرف مارک شیٹ کی بنیاد پر صرف طالب علم کو ادائیگی کرائی جائے تو غریب ماں باپ بھی

حوصلہ کریں گے کہ اپنے بچوں کو دہاڑی مزدوری پر لگانے کے بجائے اسکول کالج جانے دیں۔ جس طرح یوپی میں ہر بیک ورڈ طالبہ کو اسکالرشپ دی گئی اسی طرح ہر مسلم طالب علم کو اگر وظیفہ ملے تو کیوں نہیں وہ بھی پڑھائی کے ذریعہ اپنا کیریئر بنائیں گے؟ سرکاری اداروں سے قرض حاصل کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ایک عام دیہاتی غریب طالب علم کس طرح تعلیمی قرض حاصل کرسکتا ہے؟ پھر یہ تعلیمی قرض بھی ساڑھے دس فیصد شرح سود پر دیا جارہا ہے۔ اگر ۶-۵ لاکھ روپیہ ادھار لیا تو ساڑھے دس فیصد کے حساب سے ہر سال کتنا سود ادا کرنا ہوگا؟

کامیابی کی اکاّ دکاّ مثالوں کے غبار میں آپ ناکامی، حسرت اور مایوسی کی لاکھوں سسکیوں کو چھپا کر عام آدمی کی دعائیں اور ووٹ دونوں نہیں حاصل کرسکتے۔ اگر حکمراں طبقہ سنجیدگی اور اخلاص کے ساتھ سب کو ساتھ لے کر ترقی کی بات کررہا ہے تو اسے اپنی بجٹ کی ترجیحات پر بھی غور کرنا ہوگا۔ اسے دیکھنا ہوگا کہ جتنی چھوٹ وہ کارپوریٹ سیکٹر کو 278644 کروڑ روپیہ دیتی ہے اُس کے مقابلہ کل تعلیمی بجٹ صرف 33000 ہزار کروڑ کا ہے۔ کیا اس سے حکمرانوں کی نیت کا اندازہ نہیں ہوتا؟

آخر میں مسلمانوں کے مڈل کلاس تعلیم یافتہ طبقہ سے عرض کرنا ہے کہ جب وہ خوشحالی کے جزیرہ میں پہنچ گئے ہیں تو اپنی اجتماعی ذمہ داری ادا کرکے محروموں کو بھی اوپر لانے کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

از: فاروق اعظم عاجز قاسمی
شعبۂ انگریزی زبان وادب دارالعلوم دیوبند

بظاہر تو ہر کوئی دینداری و پاکبازی کا دعویدار ہوتا ہے؛ لیکن حقیقت کی کسوٹی پر کچھ ہی لوگ اتر پاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج دنیا میں صاحب دل اور خداترس لوگ کمیاب تو ضرور ہیں لیکن نایاب نہیں۔ کائنات کا وجود ہی ایسے لوگوں کے دم سے ہے جن کے دل خوف خدا سے لبریز ہوں، جن کے دماغ پر ہمہ وقت آخرت کا فکر سوار ہو، جن کی زبانیں ذکر الٰہی سے تروتازہ اور جن کی ہر ہر حرکت اور زندگی کا ہر ہر سانس اطاعت الٰہی اور سنت نبوی کا نمونہ ہو۔

انھیں عظیم انسانوں میں ایک نام حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کا تھا، راقم کو دارالعلوم میں اپنی دس سالہ تعلیمی زندگی کے دوران مولانا مرحوم کو دور ونزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا اس سے بڑھ کر راقم کو مولانا سے شاگردی کا شرف بھی حاصل ہے؛ لیکن ہر موقع پر ان کو اسلام اور مسلمان کے تئیں فکرمند ہی پایا اور فکر آخرت میں بھی وہ ہمہ وقت غرق رہتے تھے، دنیا کسے کہتے ہیں شاید انھیں معلوم نہیں تھا، چند ہی میل کے فاصلہ پر ان کا گھر (باغونوالی مظفرنگر) تھا، لیکن بہت ہی کم جاتے اور جاتے بھی تو فوراً دیوبند واپس آجاتے اور پھر وہی کاروبار زندگی، گوشہ نشینی اور علمی انہماک۔

سفیدی مائل ڈاڑھی، منھ میں پان، کندھے پر رومال، آنکھوں پر روایتی چشمہ اور چشمے کے پیچھے خوفِ خدا سے رونے والی آنکھیں، سر پر دو پلی ٹوپی، میانہ قد، سڈول جسم، سفید کرتا سفید پاجامہ، پاؤں میں عام جوتے، ہاتھ میں عصائے پیری، بغل میں بوسیدہ سی ایک کتاب دبائے، نگاہیں نیچی کیے ہوئے گویا کسی گم شدہ شئی کی تلاش ہے، اپنی لے میں ایک ستر سالہ شخص مدرسہ ثانویہ کی طرف چلا جارہا ہے، یہ تھے مولانا شبیر احمد صاحب جو آج مرحوم ہوچکے، لیکن ان کی

ادائیں، باتیں اور ملاقاتیں ہمیشہ ان کی یادوں کے دیے روشن کرتی رہیں گی۔ علم کے ساتھ عاجزی وانکساری، بے نفسی اور دنیا و مافیہا سے بے خبری کے مولانا نمونہ تھے۔

ان کی حیثیت ایک ماہر مدرس، مصنف اور مصلح کی تھی؛ لیکن ان کے اندر اصلاح امت کا جذبہ ہر ڈگر چھلکتا ہے، درس وتدریس کے وقت بھی، سفر وحضر کی حالت میں بھی، خاص مجلسوں اور عام گفتگو میں بھی؛ بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے بھی مولانا کا اصلاحی مشن جاری رہتا۔ دوران درس کبھی کبھی از راہِ شفقت خوش طبعی کا اظہار بھی کرتے؛ لیکن عام طور پر متفکر رہتے، ایسا لگتا کہ ہمہ وقت ان پر جذب کی سی کیفیت طاری ہے، بہت کم ان کی نگاہیں اوپر اٹھتیں، دورانِ درس بھی ان کا زاویۂ نگاہ کتاب کے صفحات اور تپائی تک ہی محدود رہتا۔ ان کی دینی غیرت وحمیت کا منظر دیدنی ہوتا، پڑھا رہے ہیں، ہنس رہے ہیں، بول رہے ہیں؛ لیکن جوں ہی اسلام پر آنچ، شریعت پر حملہ اور مغربی تہذیب کا تذکرہ چھڑ جاتا، بس پھر کیا سبق ایک طرف اور ان کے جذبات ایک طرف، وہ مشتعل ہوجاتے گویا ان کے جسم وتن میں کسی نے آگ لگادی ہو، وہ بے قابو ہوجاتے، مسلمانوں کی زبوں حالی پر روتے، تڑپتے اور افسوس کرتے، اسلامی معاشرہ پر آج جو مغربیت کا گہرا اثر ہے اس کا بھی تذکرہ کرتے اور بے خود ہوجاتے۔ اکثر فرماتے: ”آج دنیا اس قدر مغربیت کے پیچھے بھاگ رہی ہے کہ اگر مغرب ننگے رہیں گے تو یہ بھی ان کے قدم بقدم چلیں گے۔“ ”آج ہر گھر میں عیسائیت داخل ہوگئی ہے اور ہمیں احساس تک نہیں ہے۔“

وہ اردو زبان کے ساتھ انگلش کی آمیزش سے متفق نہیں تھے اور فرماتے تھے کہ ”مدنی گیٹ“ اور ”صدر گیٹ“ کیا ہوتا ہے؟ مدنی دروازہ اور صدر دروازہ کہنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے معصومانہ لہجے میں فرماتے: کتنا اچھا نام تھا شیخ الہند اس کے ساتھ اکیڈمی جوڑ دیا۔ اس سے مولانا کا مقصد کسی زبان کی برائی نہیں تھا؛ بلکہ وہ ایک مستقل زبان میں کسی قسم کی ملاوٹ کو زبان کی روح کے منافی سمجھتے تھے اور زبان کو اس کی اصل شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔

جب اپنے اساتذہ کا تذکرہ فرماتے تو تیور انتہائی والہانہ وعاشقانہ ہوجاتا، ان کے ایک ایک حرف سے اپنے اساتذہ کا احترام اور عظمت ٹپکتی تھی۔

وہ سطحیت کے مخالف تھے اور فن کو پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے۔ بارہا اس کا اظہار کرتے کہ ”میں نے گرچہ ”دروس البلاغہ“ کی شرح لکھ دی ہے؛ لیکن یہ حرف آخر نہیں ہے اس پر اب بھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں بھی

ان کا نظریہ یہ تھا کہ ان کو ضروری دینی تعلیم کے دیے جانے پر اکتفا کیا جائے مکمل عالمیت کی ضرورت نہیں۔

سنت کا بڑا خیال رہتا تھا، سنت کے خلاف کسی کو کچھ کرتے دیکھ لیتے تو آگ بگولہ ہوجاتے اوراس سلسلے میں اگرکوئی شاگرد سامنے ہوتا تو ''تنبیہ الغافلین'' سے اس کی خبر لی جاتی۔ ثقل سماعت کی وجہ سے کچھ اونچا سنتے تھے جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے جب کہ ان کے شاگردان کی صورت حال سے واقف تھے اور بلند آواز سے سلام کرتے اور حضرت اس کا جواب بھی دیتے تھے اور ضرور دیتے تھے۔

وادیٔ کشمیر سے ان کا بڑا گہرا ربط وتعلق تھا اور وہاں کے باشندے بھی آپ پر جان نچھاور کرتے تھے، اس خطے کے طلبہ کے ساتھ بطور خاص شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے؛ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم عموماً اسفار وغیرہ سے گریزاں رہنے کے باوجود سال میں ایک آدھ مرتبہ کشمیر کا دورہ ضرور کرتے اسی طرح گوشہ نشینی کا مزاج رکھنے کے باوجود کشمیری انجمن کے پروگراموں میں بھی اپنی حاضری سے شرف بخشتے۔

مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم ۱۹۳۲ء میں اپنے وطن باغونوالی (مظفرنگر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ خادم العلوم باغونوالی ہی میں حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے دیوبند کا سفر کیا، یگانۂ روزگار شخصیات مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ اور مولانا نصیر احمد خاں صاحب وغیرہ کے زیر سایہ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، درس نظامی سے فراغت کے بعد طب یونانی کی تکمیل کی۔ دیوبند کے معروف حکیم عبدالقدوس دیوبندی مولانا کے ہم درس تھے۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم، اے بھی کیا۔

جہاں تک اصلاحی تعلق کی بات ہے تو اس سلسلے میں بتایا جاتا ہے کہ خواب میں حضرت مدنی کے اشارہ سے مظفرنگر کے معروف صاحبِ دل اور اہل کشف وکرامات صوفی عبدالرزاقؒ سے اصلاحی رشتہ قائم کیا۔

تعلیمی مرحلہ طے کرلینے کے بعد مولانا کے تدریسی سلسلہ کا آغاز مدرسہ باغونوالی سے ہوا، چندسال مدرسہ شمس العلوم ٹنڈھیڑہ (مظفرنگر) میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں مستقل استاذ منتخب ہوئے اور سترہ سالوں تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں

پڑھاتے رہے۔ پھر یہیں سے ۱۴۱۰ھ میں دارالعلوم کے لیے ان کا انتخاب ہوا اور تادم واپسیں انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ مختلف فنون: ادب و بلاغت اور تفسیر وفقہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ عمر کے آخری پڑاؤ تک وقت کی پابندی اور نصاب کی تکمیل ان کا امتیاز رہا۔ مولانا مرحوم نے حضرات اکابرؒ کی قدیم روایات کو باقی رکھتے ہوئے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی اپنا رشتہ استوار کیا اور کشمیر سے نکلنے والا ماہنامہ ''النور'' میں ''احقاق حق'' کے عنوان سے بہت کچھ لکھا، ان کی قلمی جولانیوں کا غیر معمولی اندازہ ''النور'' کے مطالعہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

ابتدائی درجات کے پیش نظر نحو وصرف میں ''الدراسۃ النحویہ''، ''الدراسۃ الصرفیہ'' اور دروس البلاغہ کی شرح ''نبراس البلاغہ'' مولانا کی قلمی یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ ہر اس کتاب پر جوان سے متعلق ہوتی اپنا حاشیہ ہوتا۔

اس طرح سے مولانا کی پوری زندگی تعلیم وتعلّم میں گزری اور بالآخر مختصر علالت کے بعد دہلی کے ایک اسپتال میں یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ کی شام علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

اللہ ان کی قبر کو نور سے بھردے (آمین)